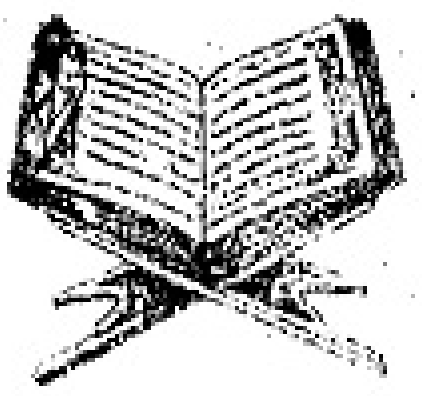

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر

ہفتہ وار
طلوع اسلام
کراچی

جلد نمبر ۸
شمارہ ۴۶

کراچی: ہفتہ - ۱۹ نومبر ۱۹۵۵ء

قیمت چھ آنہ
سالانہ پندرہ روپے

قرآن نے کیا کہا؟

گزشتہ اقساط میں بتایا جا چکا ہے کہ اسلام کا مقصود ایک ایسے معاشرے کی تشکیل ہے جس میں انسان جنت کی زندگی بسر کر سکے۔ اس کے بعد یہ بھی بتایا جا چکا ہے کہ اس معاشرے کی ابتدا ان لوگوں کے ہاتھوں سے ہوگی جو اس کے ان دیکھے نتائج پر یقین محکم رکھیں گے۔ قرآن نے بتایا ہے کہ یہ راستہ بہت دشوار گزار ہے۔ اس کی مثال ایسی ہی ہے جیسے کوئی پہاڑ پر چڑھ رہا ہو۔ آہستہ آہستہ۔ قدم قدم۔ ٹھہر ٹھہر اور رک رک کر اس کے لئے پاؤں میں قوت سینے میں دم اور دل میں حوصلہ ہونا نہایت ضروری ہے۔ یہی وجہ ہے کہ عام انسان اس دشوار گزار اور کٹھن راستے پر چلنے کی ہمت نہیں کرتے۔ فلا اقتحم العقبۃ" (۹۰/۱۱) اس کے بعد وہ خود ہی کہتا ہے کہ وما ادراک ما العقبۃ" (۹۰/۱۲)۔ یہ دشوار گزار راستہ کیا ہے؟ یہ اونچی گھاٹی پر چڑھنے سے مفہوم کیا ہے؟ فک رقبۃ" ۔ (۱۳/۹۰) یہ راستہ وہ ہے جس میں انسان کو ان زنجیروں سے رہا کرایا جاتا ہے جن میں مفاد پرست اور مستبد قوتیں اسے جکڑ دیتی ہیں۔ یا معاشی بد حالی کے زمانے میں جب بھوک اور مشقت عام ہو جائے ان ناداروں اور بے کسوں کی روزی کی فکر کرنا جو معاشرے کے دیگر افراد کے قریب ہوتے ہوئے بھی اپنے آپ کو تنہا محسوس کریں۔ او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ" یتیما ذا مقربۃ" (۱۵-۱۴/۹۰)۔ یا ان مزدوروں کی بہبود کا انتظام کرنا جنہیں ہمیشہ مٹی میں لت پت رکھا جاتا ہے۔ او مسکیناً ذا متربۃ" - (۱۶/۹۰)۔

طلوع اسلام کا مسلک اور مقصد

ہمارا مسلک یہ ہے .... کہ

- ① تنہا عقل انسانی، زندگی کے مسائل حل کرنے کے لئے کافی نہیں۔ اسے اپنی راہنمائی کے لئے اسی طرح وحی کی ضرورت ہے جس طرح حضرات انبیاء کرام کو ملتی رہی۔
- ② یہ وحی اپنی آخری اور مکمل شکل میں قرآن کریم میں محفوظ ہے۔ اس لئے نوع انسانی اب [illegible] ختم ہو چکی۔
- ③ حق و باطل کا معیار قرآن ہے۔ ہر وہ بات جو قرآن کے خلاف ہو [illegible] غلط ہے۔
- ④ حضور نبی اکرم انسانی بصیرت و کردار کے انتہائی مقام پر تھے [illegible] کا صحیح معیار خود قرآن کریم ہے۔
- ⑤ قرآن کی رو سے دنیا میں بسنے والے تمام انسان ایک عالمگیر برادری کے افراد ہیں۔ اس برادری کے قیام کی شکل یہ ہے کہ تمام دنیا ایک نظام کے مطابق زندگی بسر کرے۔
- ⑥ اسلامی نظام زندگی کی تشکیل کی صورت یہ ہے کہ ہر زمانے کے انسان اپنے زمانے کے تقاضوں کے مطابق قرآن کے غیر متبدل اصولوں کی روشنی میں باہمی مشاورت سے جزئی قوانین خود مرتب کریں۔ انہیں قانون شریعت کہا جاسکتا ہے۔ یہ جزئی قوانین حالات کی تبدیلی سے بدلتے رہیں گے لیکن قرآن کے اصول ہمیشہ غیر متبدل رہیں گے۔
- ⑦ اس نظام کی رو سے قرآن ایک ایسے معاشرے کی تشکیل کرتا ہے جس میں تمام افراد کی مضمر صلاحیتوں کی کامل نشوونما ہو جاتی ہے اور کوئی فرد معاشرہ اپنی ضروریات زندگی سے محروم نہیں رہتا۔ اسے ربوبیت عامہ یعنی تمام نوع انسانی کی پرورش سے تعبیر کیا جاتا ہے۔
- ⑧ ربوبیت عامہ کے اس عظیم مقصد کے حصول کے لئے قرآن کی رو سے ضروری ہے کہ رزق کے سرچشمے انفرادی ملکیت کے بجائے معاشرے کی تحویل میں رہیں تاکہ رزق کی تقسیم ہر ایک کی ضرورت کے مطابق ہوتی رہے اور اس طرح کوئی انسان دوسرے انسان کا محتاج نہ رہے۔ اسے "قرآنی نظام ربوبیت" کہا جاتا ہے۔

ہمارا مقصد یہ ہے .... کہ

پاکستان میں اور اس کے بعد ساری دنیا میں قرآنی نظام ربوبیت نافذ ہو جائے جو صفات خداوندی کی روشنی میں [illegible]

اگر آپ طلوع اسلام کے اس مسلک اور مقصد سے متفق ہیں تو اس پیغام کو عام کرنے میں طلوع اسلام کا ساتھ دیجئے

اس شمارے میں

★ مخلوط انتخاب
★ ریڈیو پاکستان
★ انڈونیشیا
★ کشمیر کانفرنس
★ پارٹی بازی
★ درس بخاری
★ تخریبی عناصر
★ تاریخی شواہد
★ حقائق و عبر
★ جوش ملیح آبادی
★ مجلس اقبال
★ بین الاقوامی جائزہ
★ ہند و چین بھائی بھائی
★ اسلام کی سرگزشت
★ نقد و نظر

As. -/6/-

TOLU-E-ISLAM

Its stand is that :-

1. Human intellect by itself cannot seek a solution of the problems of life—it needs for the purpose the help of REVELATION in the same manner as the eye needs light for seeing.

2. REVELATION in its complete and final form is preserved in the Quran and without Quranic guidance humanity cannot attain its destiny.

3. The criterion for judging Right and Wrong is the Quran — what accords with it is Right, what is opposed to it is Wrong.

4. Our Prophet lived a life strictly in accordance with the Quran and was perfect model of human character, but alien influences introduced in our chronicles damaging matter which is and must be held to be a fabrication irrespective of where it is found.

5. According to Quran all men living on the earth essentially belong to one brotherhood which can be brought about by subjecting them all to one and the same law.

6. Quran gives the basic laws, within the four corners of which men of every age are free to determine, by mutual consultation, subsidiary laws to suit the requirements of their time; the subsidiary laws, called SHARIAT, being liable to change from age to age but the Quranic fundamentals are permanent and unchangable.

7. Quran envisages a Social Order in which every individual will have his basic needs satisfied and his latent potentialities fully developed.

8. For the establishment of the Quaranic Social Order the essential requirement is that the means of production should cease to be in the possession of individuals and be placed in charge of the Order so that the produce could be doled out to one and all according to one's needs and no man should feel dependant on another man.

ITS AIM IS that the Quranic Social Order should be established initially in Pakistan and thereafter in the whole world whereby the latent potentialities of every individual should have a chance to develop fully and the entire earth should shine brilliantly under the halo of Divine Light.

قرآنی نظام ربوبیت کا پیامبر
ہفت روزہ
طلوعِ اسلام
جلد ۸ | ہفتہ ۱۹ نومبر ۱۹۵۵ء | نمبر ۴۲

مخلوط انتخاب

دگر از سر گرفتم قصۂ زلفِ چلیپا را

"دنیا میں بعض حقیقتیں افسانوں سے بھی زیادہ تحیر انگیز ہوتی ہیں"

جو حضرات طلوع اسلام کے دور اول (۱۹۳۸ء) سے اس کا مطالعہ کرتے چلے آتے ہیں وہ اس حقیقت سے اچھی طرح باخبر ہیں کہ اُس زمانہ میں ایک ہی مسئلہ تھا جس کے گرد ہمارے فکر و عمل کی پوری دنیا گردش کرتی تھی۔ وہ مسئلہ تھا متحدہ اور جداگانہ قومیت کا۔ ہندو (اور اس کے ہمنوا مسلمانوں) کا نظریہ یہ تھا کہ ہندوستان میں بسنے والے تمام لوگ ایک ہی قوم کے افراد ہیں کیونکہ قومیت کا مدار وطن کا اشتراک ہے۔ اس کے برعکس جمہور مسلمانوں کا (جنہیں تحریک پاکستان کا داعی کہا جاتا تھا) دعوٰے یہ تھا کہ

بنا ہمارے حصارِ ملت کی اتحادِ وطن نہیں ہے

اسلام میں قومیت کا مدار وطن۔ رنگ۔ نسل۔ زبان وغیرہ کا اشتراک نہیں۔ بلکہ آئیڈیالوجی کا اشتراک ہے۔ جو لوگ اسلامی نظریۂ حیات پر ایمان رکھتے ہیں وہ ہندوستان (یا دنیا) کے کسی حصہ میں بستے ہوں، ایک قوم کے افراد ہیں، اور ان کے برعکس جو لوگ کسی اور آئیڈیالوجی پر یقین رکھتے ہوں وہ دوسری قوم کے افراد۔ یہی بنیادی مسئلہ تھا جو وہاں مابہ النزاع تھا اور یہی وہ اصولی اور اساسی اختلاف تھا جس پر وہاں کی سیاست کی پوری عمارت استوار ہوئی تھی۔ یہی اختلاف ہمارے مطالبۂ پاکستان کی بنیاد تھی۔ اور قومیت کا یہی تصور ہمارے جداگانہ مملکت کے دعوے کی دلیل۔ ہمارے اس دعوے نے ساری دنیا کی نگاہوں کو ہماری طرف پھیر دیا تھا اس لئے کہ ہمارا یہ معیار قومیت، باقی دنیا کے ہر مسلک، مدار قومیت کے خلاف تھا۔ اسی اصل کی ایک اہم شاخ تھی جو مخلوط اور جداگانہ انتخاب کے سوال کی شکل میں بار بار سامنے آتی تھی۔ متحدہ قومیت کے حامیوں کا دعوٰے تھا کہ ہندوستان کا ہر باشندہ، بلا تخصیص مذہب و ملت، جسے چاہے اپنا نمائندہ منتخب کرلے۔ لیکن اس کے برعکس، مسلمانوں کی جداگانہ قومیت کے مدعیوں کا کہنا یہ تھا کہ یہ اصولاً غلط ہے کہ مسلمانوں کا نمائندہ کوئی غیر مسلم ہو۔ لہٰذا مسلمان رائے دہندگان صرف مسلمان امیدوار کو ووٹ دے سکتے ہیں اور غیر مسلم، غیر مسلموں کو۔ گویا نظریۂ قومیت کی عملی تعبیر اُس زمانے میں، مخلوط اور جداگانہ انتخاب کے سوال کی شکل میں سامنے آیا کرتی تھی۔

جداگانہ قومیت اور جداگانہ انتخاب کے ہمارے اس مطالبہ کا غیر مسلموں کے لئے وجہ تعجب ہونا تو چنداں مستبعد نہ تھا لیکن حیرت تھی کہ خود مسلمانوں کا ایک گروہ بھی اس کا مخالف تھا۔ اس گروہ میں کچھ لوگ تو ایسے تھے جو محض اپنے پیش نظر مفادات کی خاطر اس نظریہ کی مخالفت کرتے تھے لیکن بعض ایسے بھی تھے جن کی سمجھ میں یہ بات نہیں آتی تھی کہ مذہب کو قومیت سے کیا تعلق؟ اس لئے کہ صدیوں سے انہیں یہ بتایا جا رہا تھا کہ مذہب خدا اور بندے کے درمیان نجی تعلق کا نام ہے اور اس سے مقصد ہے "نجات" حاصل کرنا۔ لہٰذا مذہب کو سیاست سے کیا واسطہ؟ یہ سعادت طلوع اسلام کے حصہ میں آئی تھی کہ وہ اول الذکر گروہ کی مفاد پرستیوں کے پردوں کو چاک کرے اور آخر الذکر طبقہ کو بدلائل و براہین سمجھائے کہ اسلام دنیا کے مذاہب کی طرح ایک مذہب نہیں۔ ایک ضابطۂ حیات ہے جو زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے اور اس کی تعلیم کا تقاضا یہ ہے کہ یہ اپنی مخصوص آئیڈیالوجی کی بنا پر، ایک جداگانہ ملت (قوم) کی تشکیل کرتا ہے۔

ہندوستان میں ہماری یہ جنگ، قریب دس سال تک مسلسل جاری رہی۔ تاآنکہ ۱۹۴۷ء میں، انگریز اور ہندو دونوں نے ہمارے اس مطالبہ کو تسلیم کیا اور اس کا نتیجہ پاکستان کی جداگانہ مملکت کی شکل میں ہمارے سامنے آگیا۔ فالحمدللہ علیٰ ذالک۔

طلوع اسلام کے لئے یہ کامیابی صرف اس لئے وجۂ صد مسرت نہ تھی کہ اس سے مسلمانانِ پاکستان کو ایک الگ سلطنت مل گئی بلکہ اس لئے کہ اس سے قرآن کا وہ انقلابی نظریہ، جسے اس نے چودہ سو سال پہلے دنیا کے سامنے پیش کیا تھا لیکن اسے خود مسلمانوں نے بھی پس پشت ڈال رکھا تھا، ایک بار پھر محسوس و مشہود انداز میں دنیا کے سامنے آگیا اور نسل اور وطن کی خودساختہ چاردیواریوں میں محبوس قوموں نے اپنی آنکھوں سے اس حقیقت کا مشاہدہ کرلیا کہ آئیڈیالوجی کی بنا پر قومیت کی تشکیل اس طرح ہوا کرتی ہے۔

تشکیل پاکستان کے اس پس منظر میں آپ سوچئے کہ کیا کسی شخص کے حیطۂ قیاس (خیال و گمان و وہم) میں بھی یہ بات آسکتی تھی کہ ایک دن ایسا بھی آئے گا کہ اس پاکستان سے یہ آواز اٹھے گی۔ اور اٹھے گی بھی انہی مسلمانوں کی طرف سے جنہوں نے جداگانہ قومیت اور جداگانہ انتخاب کے دعوے پر پاکستان کو حاصل کیا تھا کہ یہاں ہندوؤں اور مسلمانوں کا مخلوط انتخاب ہونا چاہیئے۔ لیکن ہماری بدبختی کا کیا علاج کہ آج اسی پاکستان میں یہ آواز اٹھ رہی ہے اور سُنا یہ جا رہا ہے کہ اس کی کوشش ہو رہی ہے کہ اس "اصول" کو پاکستان کے زیر تدوین دستور کا جزو بنا دیا جائے۔ یلیتنی مت قبل ھذا و کنت نسیاً منسیا

یہ ہے وہ حقیقت جو افسانہ سے بھی بڑھ کر تحیر انگیز ہے۔ یقین مانئے، ہماری سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ ان ذہنوں کے متعلق کیا کہا جائے جن میں مخلوط انتخاب کا یہ باطل اشروز تصور پیدا ہوا ان نونہالوں کے متعلق کن الفاظ میں گفتگو کی جائے جنہوں نے اس اسلام سوز فتنے کو آگے پھیلایا اور ان ہاتھوں کا ذکر کس انداز سے کیا جائے جو اس زہر آلود خنجر کو سینۂ ملت میں پیوست کرنے کے لئے یوں بے باکانہ اٹھ رہے ہیں!!

چہ گویمت ز مسلمان نامسلمانے
کہ گرچہ پور خلیل است آذری داند

"مخلوط انتخاب" کا سوال اگرچہ بظاہر ایک معمولی سے مسئلہ اور معصوم سے سوال کی شکل میں سامنے لایا جا رہا ہے، لیکن (ان حقائق کی روشنی میں جن امور کی طرف اوپر اشارہ کیا گیا ہے) یہ درحقیقت وطنیت کی بنا پر مسلم و غیر مسلم کے امتزاج کا وہ تخم خبیث ہے جس سے متحدہ قومیت کا شجرۂ زقوم پیدا ہوگا۔ وہی جہنمی پیڑ جسے اسلام نے جڑوں سے اکھیڑ کر پھینکا تھا اور جس کی شاخوں اور پتوں کو ہم نے تحریک پاکستان کے دوران میں گنگا کی لہروں میں بہا دیا تھا۔ ہمیں معلوم نہ تھا کہ گنگا کی لہریں اسے خلیج بنگال میں لے جائیں گی اور اسے وہاں سے لاکر پھر حریم کعبہ میں گاڑنے کی کوششیں کی جائیں گی۔

جن لوگوں کے سامنے اپنے ذاتی مفاد یا سیاسی مصالح ہیں (اور سیاسی مصالح بھی درحقیقت ذاتی مفاد ہی کا دوسرا نام ہے) ان سے تو ہمیں کچھ کلام نہیں۔ لیکن جن لوگوں کے دل میں اسلام کی تعلیم کا کچھ بھی احترام اور خدا اور رسول کے فرمودات کا کچھ بھی پاس ہے ہم ان سے گزارش کریں گے کہ وہ غور کریں کہ وحی کی رُو سے جو دعوت شروع سے اخیر تک آتی رہی، اس کا اصل الاصول اور

قدرِ مشترک کیا تھی؟ آپ کو یہ حقیقت قرآن کے ایک ایک صفحہ پر ثبت نظر آئے گی کہ یہ قدرِ مشترک یہ تھی کہ حضرات انبیائے کرامؑ اپنی آسمانی تعلیم (آئیڈیالوجی) کی بنا پر ایک الگ جماعت کی تشکیل کرتے تھے۔ یہ حضرات اپنی اپنی قوم کی طرف آتے، اپنے اہلِ وطن (اور بعض حالات میں خود اپنی برادری، خاندان اور اعزہ و اقربا) تک اپنی دعوت پہنچاتے۔ ان میں جو لوگ اس دعوت کو قبول کرتے وہ ایک جداگانہ اُمت کے افراد قرار پاتے۔ جو اس سے انکار کرتے وہ، وطن، نسل، زبان، خاندان، برادری، قرابت کے اشتراک کے باوجود، ایک جداگانہ قوم کے افراد بن جاتے۔ (جیسا کہ اوپر لکھا گیا ہے) اس اصولی نظریۂ قومیت کی بنیاد، روزِ اول ہی سے رکھ دی گئی تھی جب حضرت نوحؑ سے کہا گیا تھا کہ تیرا بیٹا بیشک (BIOLOGICALLY) تیرا بیٹا ہے، لیکن چونکہ وہ دعوتِ خداوندی کو قبول کر کے تمہاری جماعت میں شامل نہیں ہوا، اس لئے وہ تمہارے "اہل" میں سے نہیں ہو سکتا۔ اسی حقیقت کا اعلان مقامِ حضرت ابراہیمؑ نے اپنے باپ سے ان الفاظ میں کہا کہ جب تک تم خدا پر ایمان نہیں لاتے، میرا تمہارا کوئی تعلق نہیں رہ سکتا۔ یہی وہ اصول تھا جس کی بنا پر حضرت لوطؑ کی بیوی کا شمار غیروں میں ہو گیا، لیکن فرعون کی مومنہ بیوی کا ذکر "اپنوں" کی طرح کیا گیا۔ اسی قانون کی رو سے، قارون (بنی اسرائیل کا ہم قوم ہونے کے باوجود) غیر کہلایا، اور ساحرینِ قومِ فرعون، خدا پر ایمان لانے کے بعد، یگانے بن گئے۔ یہی وہ آسمانی تعلیم تھی جس کا مکمل مظاہرہ نبی اکرمؐ کے عہدِ ہمایوں میں اس طرح ہوا کہ روم کا صہیبؓ۔ فارس کا سلمانؓ۔ حبش کا بلالؓ۔ جیسے غیر ملکوں اور دوسری قوموں کے افراد تو رسول اللہؐ کی اپنی قوم کے جزو بن گئے۔ لیکن مکہ کے ابوجہل اور ابولہب، کا شمار غیروں اور بیگانوں میں ہو گیا۔ حالانکہ ان سے صرف اشتراکِ وطن ہی کا تعلق نہیں تھا، اشتراکِ خون کا بھی تعلق تھا۔ یہاں تک کہ بدر کی لڑائی میں رسول اللہؐ کے چچا، عباس اور داماد، ابوالعاص تک بھی صفِ مقابل میں کھڑے تھے۔ رسول اللہؐ نے ایک مملکت بنائی اور ایک حکومت قائم کی تھی۔ آپ غور کیجئے کہ کیا اس مملکت کے اربابِ حل و عقد میں کوئی ایک غیر مسلم بھی شریک تھا اور اس حکومت کے کارپردازان کے انتخاب میں ان میں سے کسی کو بھی ووٹ دینے کا حق حاصل تھا؟ کیا خلفائے راشدینؓ "مخلوط انتخاب" کی رو سے منتخب ہوتے تھے اور کیا مدینہ کی پارلیمان (مجلس شوریٰ) میں غیر مسلم بھی شریک ہوا کرتے تھے؟ قرآن نے اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی پوزیشن کو اس قدر واضح الفاظ میں بیان کر دیا ہے جن کے لئے کسی تشریح و تفسیر کی بھی ضرورت نہیں رہتی۔ اس نے کہا ہے کہ ان غیر مسلموں کی جان، مال، عزت عصمت، حتیٰ کہ ان کی عبادت گاہوں تک کی حفاظت مسلمانوں کے ذمے ہے وہ ہر قسم کے نیک سلوک اور عمدہ برتاؤ کے مستحق ہیں۔ نوعِ انسانی کے افراد ہونے کی جہت سے، ان کی پرورش اور نشو و نما، اسلامی معاشرہ کا فریضہ ہے۔ وہ ان تمام حقوق کے حقدار ہیں جو اسلام کی رُو سے ایک انسان کو حاصل ہیں۔ لیکن اس کے ساتھ ہی اس نے یہ بھی بتلایا کہ چونکہ تمہارا نظامِ مملکت ایک مخصوص آئیڈیالوجی پر مبنی ہے، اس لئے یہ لوگ جو اس آئیڈیالوجی پر یقین نہیں رکھتے، اس نظام کے کل پرزے نہیں بن سکتے۔ چنانچہ اس کے لئے اس نے واضح الفاظ میں یہ کہہ دیا کہ

> مسلمانو! ایسا ہرگز نہ کرو کہ اپنوں کے سوا کسی اور کو اپنا ہمراز اور معتمد بناؤ۔ یہ لوگ تمہاری تخریب میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھیں گے۔ جس بات سے تمہیں نقصان پہنچے وہی انہیں اچھی لگتی ہے۔ ان کے بغض سے بھرے تو ان کے منہ سے ظاہر ہو جاتے ہیں لیکن جو کچھ ان کے دل میں چھپا ہے وہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے۔ ہم نے تم سے واضح طور پر بات کہہ دی ہے بشرطیکہ تم عقل و فکر سے کام لو۔
>
> تمہارا حال تو یہ ہے کہ تم ان سے دوستی جتاتے پھرتے ہو اور ان کا حال یہ ہے کہ وہ تمہیں ایک لمحہ کے لئے بھی دوست نہیں رکھتے۔ تم (اللہ کی طرف سے جتنی کتابیں بھی نازل ہوتی رہی ہیں)، ان سب پر ایمان رکھتے ہو (اس لئے لامحالہ تمہارے دل میں ان کی کتابوں کا بھی احترام ہے) لیکن ان کی حالت یہ ہے کہ یہ جب تم سے ملتے ہیں تو کہہ دیتے ہیں کہ ہم بھی ان باتوں کو مانتے ہیں لیکن جب تم سے الگ ہوتے ہیں تو تمہارے خلاف جوشِ غضب میں اپنی انگلیاں کاٹنے لگتے ہیں۔ (اے رسول تم ان سے) کہہ دو کہ تم جوشِ غضب میں اپنی انگلیاں ہی کیوں کاٹتے ہو، جاؤ اور اپنے آپ کو ہلاک کر ڈالو۔ اللہ وہ کچھ جانتا ہے جو انسانوں کے سینے میں چھپا ہے۔
>
> اگر کوئی بات ایسی ہو جائے جو تمہارے بھلے کی ہو تو وہ ان کے لئے موجبِ غم ہوتی ہے اور اگر تمہیں کوئی نقصان پہنچ جائے تو بہت ہی خوش ہوتے ہیں۔ اگر تم اپنے پروگرام پر مستقل مزاجی سے جمے رہے اور قوانینِ خداوندی کی نگہداشت کی تو ان کا مکر و فریب تمہارا کچھ نہیں بگاڑ سکے گا۔ خدا کا قانونِ مکافات، ان کے تمام اعمال کو محیط ہے۔ (۳ / ۱۱۹–۱۱۴)

اور آگے بڑھئے، سورۂ مجادلہ میں ہے۔

> جو لوگ اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتے ہیں تم کبھی نہ دیکھو گے کہ وہ ایسے لوگوں سے دوست داری کے تعلقات رکھیں جو اللہ اور رسول کے خلاف ہوں، خواہ وہ ان کے باپ بیٹے، بھائی یا کنبہ کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔ . . . (۵۸ / ۲۲)

سورۂ ممتحنہ میں مسلمانوں سے کہا گیا ہے کہ

> تمہارے لئے ابراہیم اور اس کے رفقائے کار کی زندگی میں اسوۂ حسنہ ہے۔ جب انہوں نے اپنی قوم سے (برملا) کہہ دیا تھا کہ ہم تم سے اور جن کی تم خدا کے سوا محکومیت اختیار کئے ہوئے ہو۔ ان سے بیزار ہیں۔ ہم تمہارے ساتھ تعلقات سے انکار کرتے ہیں۔ تمہارے اور ہمارے درمیان عداوت اور نفرت ہمیشہ کھلی کھلی رہے گی، تاوقتیکہ تم بھی (ہماری طرح) خدا پر ایمان نہ لاؤ۔ (۶۰ / ۴)

اور اس کے بعد پھر تاکید ہے کہ

> اے مسلمانو! تم ان لوگوں کو کبھی اپنے دوست نہ بنانا جو غضبِ خداوندی کے مستحق ہیں (۶۰ / ۱۳)

قرآن نے یہ بھی بتا دیا ہے کہ ان لوگوں سے دوستداری کے تعلقات رکھنے سے کیوں منع کیا جاتا ہے۔ اس لئے کہ

> وَدُّوا لَوْ تَكْفُرُونَ كَمَا كَفَرُوا فَتَكُونُونَ سَوَاءً ۖ فَلَا تَتَّخِذُوا مِنْهُمْ أَوْلِيَاءَ . . . . (۴ / ۸۹)
>
> یہ چاہتے ہیں کہ جس طرح یہ خود کافر ہوئے ہیں تم بھی کافر بن جاؤ اور اس طرح تم دونوں برابر ہو جاؤ۔

یہ حقائق کسی تبصرہ کے محتاج نہیں۔ سوال یہ ہے کہ کیا یہ احکام صرف حضرت ابراہیمؑ یا نبی اکرمؐ کے زمانے کے غیر مسلموں سے متعلق تھے۔ یا ہمارے دور کے غیر مسلموں پر بھی ان کا اطلاق ہوتا ہے؟ بلکہ اب تو یہ کہنا چاہیئے کہ کیا یہ احکام صرف تحریکِ پاکستان کے زمانے تک ہی محدود تھے (کیونکہ اس زمانہ میں انہی احکام کو جداگانہ قومیت اور جداگانہ انتخاب کے حق میں بطور دلیل پیش کیا جاتا تھا) یا تشکیلِ پاکستان کے بعد بھی ان کا نفاذ باقی ہے؟ ظاہر ہے کہ جو شخص ان احکام کو خدا کے احکام سمجھتا ہے۔ وہ کبھی نہیں کہہ سکتا کہ یہ صرف اس زمانے سے متعلق تھے، اب منسوخ ہو چکے ہیں۔ یا غیر مسلموں کی جس ذہنیت کا قرآن نے ذکر کیا ہے۔ وہ اسی زمانہ تک کے لوگوں تک محدود تھی۔ ہمارے زمانے کے غیر مسلموں کی ایسی ذہنیت نہیں۔ وہ تو یقیناً یہی کہے گا۔

> نہ ستیزہ گاہِ جہاں نئی نہ حریفِ پنجہ فگن نئے
> وہی فطرتِ اسد اللّٰہی، وہی مرحبی وہی عنتری

لہٰذا جب صورتِ حال یہ ہے تو پھر اس تبدیلی کے کیا معنی کہ تحریکِ پاکستان کے دوران میں تو مسلموں اور غیر مسلموں کا مخلوط انتخاب، اسلام کی تعلیم کے یکسر خلاف تھا۔ اور آج وہی انتخاب عین مطابق دین ہے؟

"یاد رکھئے! قرآن کی رُو سے ایک اسلامی حکومت میں مخلوط انتخاب، تو ایک طرف، غیر مسلموں کو اسلامی دستور و قوانین کی مجلس شوریٰ میں بھی شریک نہیں کیا جا سکتا۔ نہ ہی انہیں کسی ایسے کلیدی مقام پر رکھا جا سکتا ہے، جہاں وہ اس نظام کے ہمراز و معتمد بن جائیں۔ یہ قرآن کا کھلا کھلا فیصلہ ہے، جس میں کسی شک و شبہ کی گنجائش نہیں۔ ہم اس مقام پر اس حقیقت کو ایک بار پھر دہرا دینا چاہتے ہیں کہ اس سے نہ غیر مسلموں کی کوئی توہین مقصود ہے۔ نہ کوئی تنقیص۔ اس سے صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ جب کوئی مملکت آئیڈیالوجی کی بنیادوں پر متشکل ہوگی تو لامحالہ اس کی پوزیشن یہی ہوگی۔ کہ اس کے آئین و قوانین سازی کے امور میں ایسے لوگ شریک

نہیں ہوسکیں گے۔ جو اس آئیڈیالوجی پر یقین نہیں رکھیں گے۔ اور نہ ہی اِن کا ان لوگوں کے انتخاب اور تعین میں کوئی ہاتھ ہوگا۔ جو ان امور کو سرانجام دیں گے۔ قرآن نے امرھم شوریٰ بینھم کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ ایسی مملکت کے امور ان لوگوں کے اپنے مشوروں سے طے پائیں گے۔ کوئی غیر اس میں شریک نہیں ہوسکے گا۔

ان حقائق کی روشنی میں، ہماری مجلس آئین ساز کے لئے دو ہی راستے رہ جاتے ہیں۔ اگر اس کے ارکان پاکستان کے لئے ایسا دستور مرتب کرنا چاہتے ہیں، جو فی الواقع، اسلامی ہو تو انھیں غیر مسلموں کی اس پوزیشن کو دستور میں واضح اور متعین کرنا ہوگا۔ لیکن اگر ان کے مصالح یا قلبی میلانات و عواطف، (یا اس قسم کے غلط خیالات جو محض کمزوری پر مبنی ہوتے ہیں) کہ یہ تو بڑی تنگ نظری ہے۔ اس سے ہندو ناراض ہو جائیں گے۔ اور دنیا کیا کہیگی۔ انھیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دیتے۔ تو انھیں اس کا اعلان کر دینا چاہیئے کہ ہمارا آئین دنیا کے دوسری قوموں کے آئینی دساتیر جیسا ہوگا۔ اسلامی نہیں ہوگا۔ لیکن اگر انھوں نے اپنی موجودہ روش کو قائم رکھا کہ، اٹھتے بیٹھتے، اسلامی دستور کے الفاظ بھی رٹتے رہے۔ اپنی تقریروں اور تحریروں کو قرآن کی آیات اور رسول اللہ کی احادیث سے مزین بھی کرتے رہے۔ لیکن دستور میں مخلوط انتخاب جیسے غیر اسلامی تصورات کو ٹھونس دیا گیا تو ہم واضح الفاظ میں کہہ دینا چاہتے ہیں کہ ان کی یہ روش زیادہ عرصہ تک چل نہیں سکیگی۔ اس لئے کہ یہ باتیں کوئی جزئی اور فرعی نہیں کہ جن کے متعلق یہ سمجھ لیا جائے کہ خیر! ہم رفتہ رفتہ اس انتہائی منزل تک جا پہونچیں گے۔ یہ بنیادی اور اصولی مسائل ہیں جن میں کسی صورت میں بھی مفاہمت (COMPROMISE) نہیں ہوسکتی۔ یہی (متحدہ قومیت کا) وہ سوال تھا۔ جس کے ضمن میں اس حکیم الامت نے جس نے قوم کو پاکستان کا تصور دیا تھا، حسین احمد صاحب مدنی سے برملا کہہ دیا تھا۔

"اسلام ہیئتِ اجتماعیہ انسانیہ کے اصول کی حیثیت میں کوئی لچک اپنے اندر نہیں رکھتا۔"

لہٰذا اگر آپ یہ سمجھیں کہ آپ اسلام کے اصولوں سے انحراف کے باوجود جس دستور کو اسلامی کہہ کر مرتب کریں گے، قوم اسے اسلامی سمجھ کر سر آنکھوں سے لگالے گی تو یہ آپ کی بھول ہے ایسے مقام پر اقبال کی ہمنوائی میں یہ کہنے والے اب بھی موجود ہیں کہ

غلام جز رضائے تو نجویم !!
جز آں راہے کہ فرمودی نپویم
ولیکن گر بہ ایں نادان بگوئی !!
خرے را اسپ تازی گو، نگویم

کشمیر کانفرنس

محترم وزیر اعظم کی یہ تجویز کہ مسئلہ کشمیر کا مناسب حل تلاش کرنے کے لئے ملت کے ارباب فکر و تدبر سے مشورہ کیا جائے اب عملی پیکر اختیار کر رہی ہے۔ چنانچہ اس مجلس مشاورت کے انعقاد کی تاریخیں مقرر ہوگئی ہیں۔ اور جن حضرات کو دعوت شرکت دی گئی ہے۔ ان کی فہرست بھی منظر عام پر آگئی ہے ہماری دلی آرزو ہے کہ یہ کانفرنس کامیاب ہو، اور ہمیں اس مشکل مسئلہ کا، جس کا تعلق ہماری موت اور زندگی سے ہے کوئی معقول اور قابل عمل حل مل جائے۔ اس ضمن میں البتہ ایک بات ایسی ہے جسے ہم کہے بغیر نہیں رہ سکتے۔ باہمی مشاورت کے معنی یہ ہوتے ہیں کہ جن لوگوں کے سامنے مقصد اور منتہیٰ ایک ہو۔ لیکن ان کے ذہن میں ان تک پہونچنے کے راستے مختلف ہوں۔ وہ یکجا بیٹھ کر سوچیں کہ ان راستوں میں سب سے زیادہ آسان اور سہل گذار راستہ کونسا ہے۔ یعنی مشاورت کے لئے مقصد اور منتہیٰ کی وحدت شرط اولین ہے۔ جو لوگ آپ کے مقصد و منتہیٰ ہی سے متفق نہ ہوں بلکہ ان کا قبلۂ مقصود آپ سے جداگانہ ہو۔ ان سے اپنے مقصد کے حصول کے لئے مشورہ لینا اپنے مقصد سے دشمنی کرنا ہے۔ یہی وہ حقیقت تھی جس کے متعلق غالب نے کہا تھا کہ۔

یہ کہاں کی دوستی ہے کہ بنے ہیں دوست ناصح
کوئی غمگسار ہوتا کوئی چارہ ساز ہوتا

جو آپ کے غم میں شریک نہیں۔ وہ آپ کا چارہ ساز کس طرح ہوسکتا ہے! لیکن ہمیں اس مجلس مشاورت کے لئے مدعوین کی فہرست میں ایسے نام بھی دکھائی دیتے ہیں، جو کھلے بندوں پاکستان کے دشمن ہیں۔ یا جن کے سابقہ عمل نے مسئلہ کشمیر کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا ہے۔ مثلاً اس فہرست میں خان عبدالغفار خاں اور ان کے ہم نوا، پیر صاحب مانکی شریف کے نام بھی نظر آتے ہیں۔ حالانکہ یہ حضرات پختونستان کی اس تحریک کے علمبردار ہیں، جو پاکستان کے لئے مسئلہ کشمیر سے بھی زیادہ نقصان رساں اور تخریب انگیز ہے جو لوگ پاکستان کے موجودہ رقبہ میں سے ایک حصہ نکال کر اس میں آزاد مملکت قائم کرنے، یا اسے دوسرے ملک کے ساتھ ضم کر دینے کی کوششیں کر رہے ہوں، اور آپ کو اپنا کھلا ہوا دشمن سمجھ رہے ہوں۔ کیا وہ آپ کو کسی ایسے مسئلہ میں صحیح مشورہ دے سکتے ہیں جو پاکستان کی تقویت کا موجب ہو؟

پھر اسی فہرست میں، ہمیں مولوی تمیز الدین خاں صاحب کا نام بھی ملتا ہے۔ جنھوں نے اپنی مسلسل کوششوں سے اقوامِ عالم میں پاکستان کی ایسی جگ ہنسی کرائی جس کی مثال مشکل سے ملے گی۔ اور یہ کوئی دور کا واقعہ نہیں ابھی کل کی بات ہے اور وہ ابھی تک "محرومین" کے گروہ میں شامل ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ وہ آپ کے ساتھ دل سے تعاون کرسکیں گے۔؟

اور اسی فہرست میں سید ابوالاعلیٰ مودودی صاحب کا نام بھی شامل ہے۔ یہ وہی مودودی صاحب ہیں جنھوں نے ایسے نازک وقت میں کشمیر کے خلاف فتویٰ دیا تھا۔ جب اس کی کشتی بالکل منجدھار میں تھی۔ اور اس جرم کی پاداش میں حکومت نے انھیں جیل بھیجدیا تھا۔ اس کے بعد فسادات پنجاب کے سلسلہ میں حکومت نے انھیں پہلے موت کی سزا دی جسے بعد میں عمر قید میں تبدیل کیا گیا۔ اور وہ دو سال کی قید کے بعد حال ہی میں باہر آئے ہیں۔ کیا آپ سمجھتے ہیں کہ انھوں نے حکومت کے اس سلوک کو (جسے وہ اور ان کے متبعین کھلے بندوں طاغوتی اور شیطانی طرز عمل قرار دیتے ہیں) یکسر بھلا دیا ہے۔ اور اسے اپنا مشفق و دمساز سمجھنے لگ گئے ہیں؟ اگر کوئی ایسا سمجھتا ہے۔ تو اسے اس کا یہ فریب نفس مبارک ہو لیکن جن لوگوں کو اللہ نے دیکھنے والی آنکھ اور سمجھنے والا دل عطا کیا ہے۔ وہ تو اس فریب میں کبھی مبتلا نہیں ہوسکتے!

پھر اس فہرست میں غیر مسلموں کے نام بھی ہیں، اسلامی حکومت میں غیر مسلموں کی کیا پوزیشن ہوتی ہے۔ اس کے متعلق ہم اشاعت زیر نظر کے لمعات میں تفصیل سے لکھ چکے ہیں۔ کہا جائیگا کہ ان لوگوں سے مشورہ لینے میں ہرج کیا ہے؟ ہرج یہ ہے کہ اس قسم کے دعوت ناموں سے یہ لوگ اور ان کے پارٹی یہ سمجھنے لگ جاتی ہے کہ حکومت ہم سے دبتی ہے اور اپنی مشکلات کے حل کے لئے ہماری مدد کی محتاج ہے اس خیال سے ان کی مخالفت کے جذبات اور گہرے ہو جاتے ہیں۔ دوسری طرف وہ لوگ جو انھیں تخریبی عناصر سمجھ کر ان سے الگ رہتے ہیں، یہ سمجھنے لگ جاتے ہیں کہ یہ لوگ ایسے تخریبی نہیں جیسا کہ انھیں کہا جاتا ہے۔ اگر یہ ایسے ہی انتشار پسند اور تخریبی ہوتے تو حکومت انھیں مشوروں کے لئے کیوں بلاتی؟۔

یاد رکھیئے! مملکت وہی پروان چڑھ سکتی ہے جو دوست کو کھلے بندوں دوست اور دشمن کو علانیہ دشمن سمجھے۔ اور اس سے بیدھڑک کہدے کہ ہمارا تم سے کوئی سروکار نہیں۔ ہم تمہاری تخریبی کوششوں کو کچل کر رکھ دیں گے وَبَدَا بَيْنَنَا وَبَيْنَكُمُ الْعَدَاوَةُ وَالْبَغْضَاءُ أَبَدًا حَتّٰى تُؤْمِنُوا بِاللّٰهِ وَحْدَهٗ (۶۰)

تخریبی عناصر

آپ پولیس والوں سے پوچھئے کہ پاکستان میں جرائم کی اس قدر کثرت کیوں ہو رہی ہے تو وہ اس کے جواب میں کہیں گے کہ ہندوستان میں جس قدر بدقماش اور جرائم پیشہ طبقہ تھا۔ وہ ایک سیلاب بلا کی طرح پاکستان کی طرف امنڈ کر آگیا ہے اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ یہ لوگ آتے ہیں اور ہمارے شہریوں میں گھل مل جاتے ہیں۔ اور پولیس ان کے ماضی سے بے خبر ہوتی ہے۔ اس کے پاس ان کا ہسٹری شیٹ نہیں ہوتا۔ لہٰذا ان پر محتسبانہ نگاہ نہیں رکھی جاسکتی۔ یہ ہے وہ طبقہ جو اس قدر بڑھتے ہوئے جرائم کا ذمہ دار ہے۔ پھر ان کی دیکھا دیکھی اور لوگ بھی یہی کچھ کرنے لگ جاتے ہیں۔

اس جرائم پیشہ بدقماش طبقہ کے خلاف تو ہمیں شکایت پیدا ہوتی ہے۔ لیکن حیرت ہے کہ ہم اس طبقہ کے خلاف ایک لفظ بھی زبان تک نہیں لاتے جو اول الذکر طبقہ سے کہیں زیادہ خطرناک اور ضرر رساں ہے

اور جراثیم کی طرح پاکستان کے ہر گلی کوچے میں آکر بس گیا ہے اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے۔ یہ طبقہ ہے ان لوگوں کا جو تحریک پاکستان کے دوران میں پاکستان کے سخت مخالف تھے وہ مطالبۂ پاکستان کو غیر اسلامی بتلاتے اور حامیان پاکستان اور ان کے سربرآوردہ لیڈروں کو گالیاں دیتے تھے۔ لیکن پاکستان بننے کے بعد وہ سب یہاں چلے آئے۔ اور زہریلے جراثیم کی طرح نصف سے پاکستان میں پھیل گئے۔ اسی طبقہ میں وہ لوگ بھی شامل ہیں جو پاکستان بننے کے بعد ہندوستان میں رہے۔ اور ہندوؤں کے ساتھ مل کر پاکستان کی تخریب کے لئے ہر ممکن کوشش کرتے رہے۔ صرف پاکستان کے خلاف ہی نہیں (بلکہ ان میں وہ لوگ بھی ہیں) جو کھلے بندوں اسلام کا مضحکہ اڑاتے ہیں۔ خدا، رسول سے (معاذ اللہ) استہزا کرتے ہیں۔ اسلامی شعائر کی تضحیک کرتے ہیں۔ بزرگان دین پر پھبتیاں کستے ہیں، اپنے ملحد وبے دین ہونے پر فخر کرتے ہیں لیکن اس کے باوجود ان میں سے بھی جس کا جی چاہتا ہے اٹھ کر پاکستان آجاتا ہے۔

ان میں اور جرائم پیشہ طبقہ میں فرق یہ ہے کہ جرائم پیشہ کے متعلق جب معلوم ہوجاتا ہے کہ ان کا ماضی کا چال چلن کیا تھا۔ تو لوگ ان سے نفرت کرتے اور محتاط رہتے ہیں لیکن اس دوسرے طبقہ کی حالت یہ ہے کہ ان لوگوں کے متعلق لوگوں کو سب کچھ معلوم ہوتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود یہ یہاں پہنچکر سب سے زیادہ معتبر بن جاتے ہیں۔ انھیں الاٹمنٹس ہوتی ہیں سرکار دربار میں ان کی پیشوائیاں ہوتی ہیں۔ ان میں سے اکثر لیڈر بن جاتے ہیں۔ غرضیکہ معاشرہ میں عزت و تکریم کی ہر کرسی ان کے لئے خالی ہوجاتی ہے۔ اور یہ اس لئے کہ یہاں کے ارباب حل وعقد میں سے کسی نہ کسی کا ان کے ساتھ کوئی نہ کوئی قریبی تعلق ہوتا ہے۔

دوسرا فرق یہ ہے کہ جرائم پیشہ لوگ صرف افراد کی جیب کاٹتے ہیں، لیکن "یہ معتبر طبقہ" پوری کی پوری ملت کے متاع دین ودانش پر ڈاکہ ڈالتا ہے۔ اور خود پاکستان کی جڑیں کاٹتا ہے۔

اور بھارت کے ان ایجنٹوں کی درآمد کا سلسلہ بدستور جاری ہے۔ پاکستان تیرا خدا حافظ!!

جوش ملیح آبادی

مندرجہ بالا شذرہ لکھا جاچکا تھا کہ ۱ار نومبر کے اخبارات میں ایسوسی ایٹیڈ پریس آف پاکستان کی وساطت سے نئی دہلی کی یہ خبر شائع ہوئی کہ معلوم ہوا ہے کہ جوش ملیح آبادی نے مع اہل عیال پاکستان میں مقیم رہنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ یہ بھی معلوم ہوا ہے کہ وہ جب پچھلی مرتبہ پاکستان آئے تو حکومت پاکستان نے انھیں جاگیر کی پیشکش کی۔ اور یہ یقین دلایا کہ اگر وہ پاکستان آجائیں تو ان کے لئے معقول آمدنی کا بندوبست کر دیا جائیگا۔ اسی دن اے، پی، پی نے نئی دہلی سے یہ خبر بھیجی کہ جوش صاحب نے اس کی تصدیق کر دی ہے کہ حکومت پاکستان نے ان سے جاگیر دینے اور معقول آمدنی کا وعدہ کیا ہے۔ اس اطلاع کے مطابق جوش صاحب نے یہ بھی کہا کہ وہ اس سلسلہ میں اپنے دوست پنڈت نہرو سے دو مرتبہ مل چکے ہیں۔ اور ان سے آج دن پھر ملاقات کر رہے ہیں۔ وہ مولانا آزاد سے بھی مل چکے ہیں۔ البتہ آخری فیصلہ پنڈت نہرو کریں گے۔

ہم نہیں کہہ سکتے کہ اس خبر میں کہاں تک صداقت ہے۔ لیکن جب خود جوش صاحب نے اپنی طرف سے اس درپردہ سودے بازی کا ذکر کیا ہے تو اس کے صحیح ہونے میں کیا شبہ ہوسکتا ہے "حکومت پاکستان" جو اس میں فریق ثانی کی حیثیت رکھتی ہے۔ وہ البتہ خاموش ہے۔ ہندوستان کے کسی ستم رسیدہ مظلوم، مفلوک الحال مسلمان کا پاکستان کی طرف آنا ایک ایسا اقدام ہے جس پر ہمیں اصولاً کوئی اعتراض نہیں ہوسکتا۔ اب تک لاکھوں اجڑے اور لٹے پٹے مسلمان ہندوستان سے ترک وطن کرکے پاکستان آچکے ہیں، پاکستان بنا ہی اس لئے تھا کہ ہندوستان کے مظلوم مسلمانوں کو پناہ ملے اور عزت کی زندگی میسر آسکے۔ اگر جوش صاحب اس حیثیت سے ہندوستان چھوڑ کر یہاں آنے کا ارادہ کرتے۔ تو ہماری قلبی ہمدردیاں ان کے ساتھ ہوتیں۔ بالکل اسی طرح جیسے دوسرے مفلوک الحال مہاجرین کے ساتھ ہیں۔ لیکن جن حالات میں وہ آرہے ہیں یا ان کو لایا یا بلایا جا رہا ہے۔ وہ باعث صد مذمت اور قابل نفریں ہیں۔ عبارۃ بالا خبروں کے مطابق بات یہاں سے شروع ہوتی ہے کہ حکومت پاکستان نے ہندوستان کے "شاعر انقلاب" کو جاگیر پیش کی اور معقول آمدنی کی ضمانت دی۔ ہم نہیں جانتے کہ حکومت سے کون صاحب مراد ہیں۔ لیکن ہم پوچھنا چاہتے ہیں کہ کوئی ایک فرد یا مجموعی طور پر ساری کی ساری حکومت کس بنا پر کسی شخص کو (خواہ وہ ہندوستان میں ہو خواہ پاکستان میں) جاگیر عطا کرسکتی ہے؟ پاکستان میں جاگیرداری اور دربار داری کی کوئی گنجائش نہیں، نہ از روئے قانون نہ از روئے اخلاق، جاگیر بخشی تو انگریزی حکومت کے ساتھ داستان ماضی بن چکا ہے۔ تاریخ کا یہ ورق اب پھر سے الٹا نہیں جائے گا۔ اور پھر یہ جاگیر کی بخشش کس بنا پر ہو رہی ہے آخر جوش ملیح آبادی کے بغیر حکومت پاکستان کے کون سے کام بند ہیں؟ کہ انھیں یہ رشوت دے کر بلایا جا رہا ہے یا پنڈت نہرو سے خریدا جا رہا ہے۔ یا انھوں نے پاکستان کے لئے کون سی خدمات جلیلہ سرانجام دی ہیں۔ جن کے صلہ میں انھیں جاگیر بخشی جا رہی ہے۔؟ اور آگے چلئے، کیا جوش صاحب پنڈت نہرو اور مولانا آزاد کی اجازت سے پاکستان آئیں گے! بالفاظ صحیح تر کیا یہ فیصلہ کہ کون پاکستان جائے اور کون نہ جائے پنڈت نہرو یا مولانا آزاد کریں گے! کیا اب پنڈت جی اور مولانا صاحب کے فرستادوں کے لئے اس قسم کی کشش وجاذبیت پیدا کی جا رہی ہے۔؟

اس اصولی نکات کے بعد اس بحث کی ضرورت تو نہیں رہ جاتی کہ جوش صاحب کی شخصیت اور کردار کو زیر بحث لایا جائے۔ لیکن بطور یاددہانی ہم غلط بخش ارباب حل وعقد کو بتانا چاہتے ہیں کہ اس "شاعر انقلاب" کے دل میں نہ اسلام کی کوئی عزت ہے۔ نہ پاکستان کی، نہ خدا کی، نہ رسول کی، نہ جناح کی، نہ اقبال کی۔ وہ تحریک پاکستان کے شدید مخالف رہے۔ اور پاکستان بننے پر انھوں نے ہندوستان میں رہنا پسند کیا۔ آج خدا جانے کن مصالح کے تحت ان کو بھیجا جا رہا ہے۔ یا لایا جا رہا ہے۔ ہمیں جوش صاحب سے تو شکایت نہیں۔ انھیں حق حاصل ہے کہ جدھر اپنی بہتری دیکھیں ادھر جائیں۔ لیکن ہم حکومت پاکستان کا دامن پکڑ کر پوچھتے ہیں کہ آخر یہ کیا ہو رہا ہے؟ کیا کوئی ایک بھی رجل رشید ایسا نہیں جو سوچے اور دیکھے کہ یہ کیسا فتنہ پالا جا رہا ہے۔؟

"ہندوچین بھائی بھائی"

پچھلے سال جب چین کے وزیر اعظم، چو این لائی ہندوستان آئے تو خاص طور پر یہ نعرے لگائے گئے تھے کہ "ہندو چین بھائی بھائی"؟ یہ نعرے عوام کے دل کی گہرائیوں سے نہیں ابھرے تھے بلکہ اوپر سے تیار کئے گئے تھے اور از بر کرائے گئے تھے۔ اس سے دنیا بھر کو اس دھوکہ میں مبتلا کرنا مقصود تھا کہ پنڈت نہرو نے چین دوستی کی جو خارجہ پالیسی اختیار کر رکھی ہے۔ اسے ملک وقوم کی تائید حاصل ہے۔ پنڈت نہرو چین سے محبت کی پینگیں بڑھانے پر کیوں مجبور رہے ہیں۔ اس پر طلوع اسلام میں وقتاً فوقتاً لکھا جاتا رہا ہے۔ منجملہ دیگر وجوہات کے ایک اہم وجہ یہ ہے

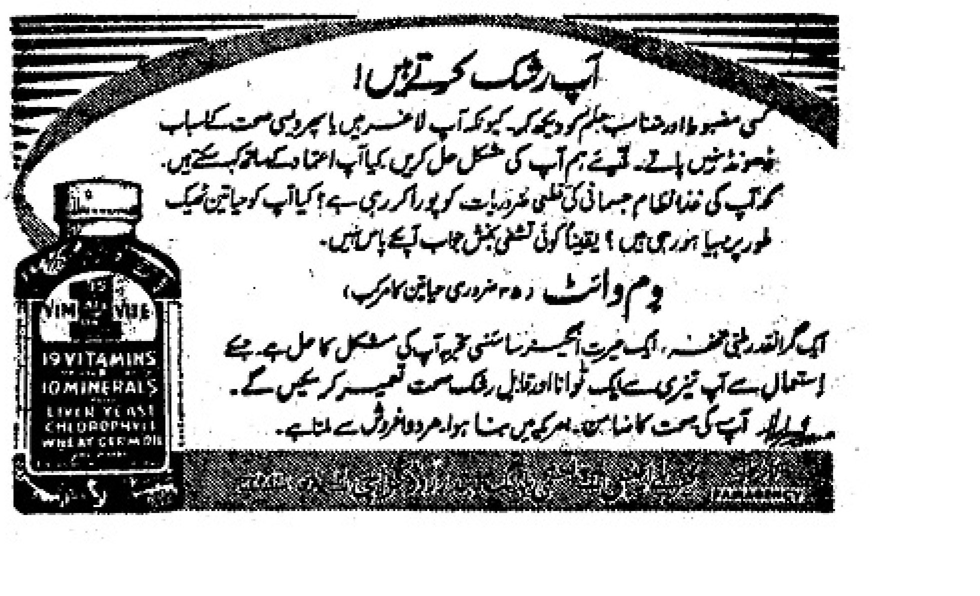

کران دو بھائیوں کی سرحد کم و بیش بارہ سو میل تک مشترک ہے اور وہ اکثر و بیشتر غیر متعین ہے۔ کمیونسٹ چین اپنی فتوحات کا زور جنوب کی طرف لایا تو اس نے جگہ جگہ اس کا فائدہ اٹھایا چنانچہ چین کی طرف سے مشترکہ سرحد کے جو نقشے چھپے ہیں ان میں کئی ایسی جگہیں چینی حدود میں دکھائی گئی ہیں جنھیں ہندوستان اپنی ملکیت سمجھتا ہے۔ اس سلسلہ میں چین نے کاری ضرب تبت میں لگائی۔ دنیا کی یہ چھت اب کلیتہً اس کے قبضے میں ہے۔ اس چھت پر اتفاق سے چین اور ہندوستان دونوں بھائی چند دن اکٹھے رہے۔ یہ یادیں ہندوستان کے حافظے سے آسانی سے محو نہ ہو سکیں گی۔ انگریزوں نے اپنے عہد میں تبت کی حدود میں تجارتی مفاد کے تحفظ کے لئے ایک چوکی بنا رکھی تھی۔ جہاں فوج متعین رہتی تھی اور وہ ہندوستان سے بھیجی جاتی تھی۔ آزادی کے بعد یہ ذمہ داری ہندوستان کے سپرد ہوئی۔ لیکن جب چین تبت میں آیا تو اس نے ہندوستان کو بے دخل کرنا شروع کر دیا۔ اس کے طریقے عجیب تھے جو ہندوستانی اس ضرورت کے لئے وہاں جاتے تھے۔ انھیں طرح طرح سے تنگ کیا جاتا تھا۔ مثلاً یہ کہ انھیں سرحد پر بٹھا دیا گیا۔ اور ان کے کاغذات منظور کرنے میں تاخیر برتی جا رہی ہے۔ وہ کسی گاؤں میں جاتے تو گاؤں والوں کو مجبور کیا جاتا تھا کہ وہ ان سے تعاون نہ کریں اور ضروری اشیا مہیا نہ کریں۔ یہ حالات دیکھ کر ہندوستان بے دخلی کے لئے تیار ہو گیا۔ لیکن اس کے لئے جو سلسلہ مذاکرات شروع ہوا۔ وہ اپنی جگہ دلچسپ ہے۔ یہ مذاکرات اس وقت ہوئے جب ہندوستان کی صدارت میں بین الاقوامی کمیشن کوریا میں جنگی قیدیوں کی نگرانی کر رہا تھا۔ چین نے اس موقعہ کا خوب فائدہ اٹھایا۔ اس نے مذاکرات کا سلسلہ اس طرح دراز کیا کہ ہندوستان کے کوریا میں موجود ہونے تک وہ جاری رہا۔ اس نے مذاکرات کو اس مطلب کے لئے استعمال کیا۔ کہ ہندوستان کوریا میں کمیونسٹوں کے ساتھ نرمی کی بات کرے چنانچہ جب ہندوستان کوریا میں ان کی تائید کرتا تو چینی تبت میں ہندوستان سے فراخدلانہ سلوک کرتے۔ لیکن جب وہ ذرا ہٹ کر بات کرتا تو اسے تبت میں پریشان کرتا۔ اس طرح چین نے ہندوستان کو کوریا میں اپنے مطلب کے لئے استعمال کیا۔ اور پھر اسے تبت سے بھی بے دخل کر دیا۔ اس کشمکش میں پنچ سیلا مرتب ہوا۔ اور پنڈت نہرو نے اپنی شکست کو فتح بنانے کے لئے اس کا دنیا بھر میں خوب چرچا کیا۔ اور ہمسایوں کے مابین تعلقات کی استواری کا نسخہ کیمیا بتایا

اب دونوں بھائیوں کے درمیان پنچ سیلا کا ایک اور امتحان ہو رہا ہے۔ تبت کی سرحد پر نوادا لوپی پہاڑی پر بڑہوتی کا علاقہ ہے۔ اس کی ملکیت پر دونوں بھائیوں میں اختلاف رائے پیدا ہو گیا ہے۔ اور دونوں بھائیوں نے اس میں فوجی نقل و حرکت بھی شروع کر دی ہے۔ دہلی سے بڑے اطمینان سے کہا گیا ہے۔ کہ دونوں بھائیوں میں کوئی تصادم نہیں ہوا! بھائی چارے کا اس سے بہتر مظاہرہ اور کیا ہو سکتا ہے کہ سرحدی تنازعہ ہوا۔ دونوں نے اپنی اپنی فوجیں آگے بڑھا دیں اور کوئی تصادم نہیں ہوا۔ اب کہا گیا ہے کہ اس قضیہ کا تصفیہ ثالثی کمیشن کے ذریعہ ہوگا۔ اس کا فیصلہ کمیشن کے ذریعہ ہو یا کسی اور ذریعہ سے۔ نتیجہ ایک ہی ہوگا۔ اور وہ یہ کہ متنازعہ فیہ علاقہ چینیوں کی ملکیت قرار پا جائے گا۔ اس طرح رفتہ رفتہ دونوں بھائیوں کے مابین پنچ سیلا کا میدان بڑا وسیع ہو جائے گا۔

ریڈیو پاکستان

ہم نے آج تک ریڈیو پاکستان کے متعلق کچھ نہیں لکھا۔ اس لئے نہیں کہ ہمیں اس کی اہمیت کا احساس نہیں بلکہ اس لئے کہ ہم اس کی طرف سے اس قدر مایوس ہو چکے ہیں کہ ہمارے نزدیک یہ مرض لاعلاج ہو چکا ہے۔ اب حکومت پاکستان نے اعلان کیا ہے کہ وہ ایک ریڈیو کمیشن کے تقرر پر غور کر رہی ہے۔ اس کے ارکان جج ہوں گے اور صدر کوئی عالمی شہرت کے ریڈیائی ماہر۔ کمیشن کا مقصد یہ ہوگا کہ ریڈیو بہتر اور موثر بنایا جائے۔ کمیشن کی ضرورت اور اہمیت سے کوئی محب وطن پاکستانی انکار نہیں کرے گا۔ کیونکہ یہ عام طور پر تسلیم کیا گیا ہے کہ ریڈیو پاکستان کو جو فریضہ ادا کرنا چاہیئے تھا؟ نہیں کیا جا رہا۔ لیکن یہ کہنا قبل از وقت ہے کہ کمیشن واقعی ایسا لائحہ عمل تیار کر سکے گا جو اس فریضہ کی بجا آوری میں ممد ہو۔ ریڈیو عوامی تعلیم و تربیت کا ایک نہایت عمدہ اور موثر ذریعہ ہے۔ اس کی افادیت ان علاقوں میں خصوصیت سے بڑھ جاتی ہے جو پس ماندہ اور غیر تعلیم یافتہ ہیں۔ کیونکہ سکول کی تعلیم کا ذریعہ بہرحال وقت طلب بھی ہے اور وقت طلب بھی۔ ریڈیو گاؤں گاؤں میں نصب کر کے کسی آواز کو ملک کے گوشے گوشے میں اور ایک ایک فرد تک پہنچایا جا سکتا ہے۔ ریڈیو پاکستان نے فنی اعتبار سے کتنی ہی ترقی کیوں نہ کر لی ہو ـــ اس ترقی سے انکار نہیں کیا جا سکتا کیونکہ پاکستان جیسے نئے ملک میں مطلوبہ آلات کی بھی کمی تھی اور ماہر کارکنوں کی بھی۔ لیکن یہ ایک حقیقت ہے کہ ہمارا ریڈیو یا تو برسر اقتدار حکومت کا نقیب ہے اور یا عوام کو ان کی موجودہ سطح پر جامد رکھنے کا ذریعہ۔ یعنی اس نے وزیروں کے بیانات اور تقریریں نشر کرنے اور حکومت کے اقدامات اور منصوبوں کی قصیدہ خوانی کرنے ہی کو اپنا فریضہ زندگی بنائے رکھا۔ ایسی مثالیں کم ملتی ہیں کہ اس نے ان مقاصد کا شعور پیدا کرنے کی کوشش کی ہو جو قیام پاکستان کے محرک ثابت ہوئے اور جن کی تکمیل کے بغیر پاکستان کا مطلب کچھ نہیں ہوگا۔ دوسری طرف، جہاں تک اس کے مذہبی اور فنون لطیفہ سے متعلق پروگراموں کا تعلق ہے اس کی کوشش ہمیشہ یہ رہتی ہے کہ ان میں کوئی ایسی بات نہ آنے پائے جس سے عوام کا معیار بلند ہو سکے اس کے برعکس انہیں پست سے پست سطح تک لے جایا جائے۔ یہ دیکھا جائے تو اس کی ذمہ داری ان کارکنوں پر عائد نہیں ہوتی جو ملازم کی طرح اس کو چلاتے ہیں۔ اس کی ذمہ داری ان وزیروں پر عائد ہوتی ہے جو وقتاً فوقتاً اس کا انصرام سنبھالتے رہے اور اس حکومت پر بھی جس کے ارکان وہ وزیر تھے۔ ہمیں افسوس ہے کہ پاکستان کی مختلف حکومتوں نے اس کی طرف مطلقاً توجہ نہیں دی کہ ریڈیو کے ذریعہ پاکستان کے طول و عرض میں زندگی کی نئی لہر دوڑائی جا سکتی ہے اور عوام کے ذہن اور قلبی سطح کو بلند سے بلند تر کیا جا سکتا ہے۔ انہوں نے اسے ذاتی اور احزابی ضروریات کے لئے استعمال کیا اور بس۔ اس کا نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔ آج جب ملک میں عمدہ ریڈیائی نظام کا جال بچھتا جا رہا ہے وہ بے کار سے بے کار تر ثابت ہوتا جا رہا ہے نہ صرف بیکار بلکہ مضر سے مضر تر۔ اگر موجودہ کمیشن اس سلسلہ میں کچھ کام کر سکی تو اس کا آنا اور اس کا جانا ملک کے لئے ہزاروں برکتوں کا باعث ہوگا۔ لیکن ہم اس سے کچھ زیادہ توقعات وابستہ نہیں کرنا چاہتے۔

پارٹی بازی

ڈاکٹر خان صاحب نہ صرف خود کسی پارٹی سے تعلق نہیں رکھتے بلکہ وہ وقتاً فوقتاً پارٹی بازی کی مذمت کرتے رہتے ہیں۔ انہوں نے ایک تازہ پریس کانفرنس میں پھر پارٹی بازی پر لعنت بھیجی ہے اور فرمایا ہے کہ بحالات موجودہ ملک کو پارٹیوں کی ضرورت نہیں بلکہ کام کی ضرورت ہے۔ یہ وہ نکتہ ہے جسے طلوع اسلام میں تکرار اور صراحت سے پیش کیا جاتا رہا ہے۔ قرآن کی رو سے پارٹی بازی شرک ہے۔ لہذا جب تک ہم اس عملی شرک کے مرتکب رہیں گے۔ پاکستان میں نظام اسلامی کی ترویج کا دعویٰ محض صریح منافقت ہوگا بلکہ اس سلسلہ کی تمام تر کوششیں اکارت جائیں گی۔ ہماری آٹھ سال کی سیاست اس کی بین تفسیر ہے۔ اسی پارٹی بازی نے ہمیں کسی نتیجہ تک نہیں پہنچنے دیا۔ اور ہمارے معاملات اور مسائل کو پیچیدہ تر بنا دیا۔ اس جہنم افتراق و تشتت سے بچنے کی واحد صورت یہ ہے کہ پارٹی بازی کو ختم کر دیا جائے اور پوری کی پوری ملت متحد ہو کر سوئے منزل جادہ پیما ہو جائے۔ شخصی مفادات اور علاقائی تعصبات کو ملی مفاد سے بسنے کا یہ ایک ہی طریق ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ ڈاکٹر خان صاحب ایسے صاحب اثر بزرگ پارٹی بازی کے فتنے کو بھانپ گئے ہیں چونکہ وہ زبانی جمع خرچ سے کہیں زیادہ کام کے قائل ہیں اس لئے ہم توقع کرتے ہیں کہ وہ پارٹی بازی کی زبانی مذمت پر اکتفا نہیں کریں گے بلکہ اپنے اثر و اقتدار کو کام میں لا کر اس لعنت کا قلع قمع کر دیں گے۔ اس کی ابتدا خود مسلم لیگ سے کرنی چاہیئے۔ اسے توڑیئے اور پھر ملک میں پارٹیوں کے اجرا کو قانوناً ممنوع قرار دیجئے۔ اس کے سوا اس فتنے کا کوئی علاج نہیں۔

خط و کتابت کرتے وقت

خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے۔ ورنہ عدم تعمیل کی شکایت

معاف

طلوع اسلام کثیر تعداد میں شائع ہو کر پاکستان، ہندوستان کے علاوہ غیر ممالک میں ہر طبقہ کے لوگوں کے پاس جاتا ہے۔ اس میں چھپنے والے اشتہارات ہزاروں خریداروں کی نظروں سے گزرتے ہیں۔ نرخنامہ اشتہارات و تفصیلات ناظم ادارہ شعبہ اشتہارات سے حاصل کیجئے

ناظم ادارہ طلوع اسلام

پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳ ـــ کراچی

تاریخی شواہد

(۳۷)

یہ تھا سورۂ انبیاء کا بیان۔ سورۂ صٰفّٰت میں بھی یہی واقعہ مذکور ہے۔ لیکن تھوڑی سی تبدیلی تفصیل کے ساتھ۔

وَإِنَّ مِن شِيعَتِهِ لَإِبْرَاهِيمَ ۝ إِذْ جَاءَ رَبَّهُ بِقَلْبٍ سَلِيمٍ ۝ إِذْ قَالَ لِأَبِيهِ وَقَوْمِهِ مَاذَا تَعْبُدُونَ ۝ أَئِفْكًا آلِهَةً دُونَ اللَّهِ تُرِيدُونَ ۝ فَمَا ظَنُّكُم بِرَبِّ الْعَالَمِينَ ۝ (۳۷/۸۳-۸۶)

اور دیکھو) درحقیقت نوح ہی کے گروہ میں سے ابراہیم بھی تھا (یاد کرو) جب وہ قلب سلیم لے کر اپنے پروردگار کے حضور متوجہ ہوا۔ وہ اپنے باپ اور اپنی تمام قوم سے ہمیشہ کہتا رہتا تھا کہ تم کن لوگوں کی عبودیت (اطاعت (فرمانبرداری) اختیار کر رہے ہو؟ (سوچو تو سہی) کیا خدا کو چھوڑ کر جھوٹ موٹ کے معبودوں (کی اطاعت) کا ارادہ رکھتے ہو۔؟ پھر تمام جہان کے پروردگار کے متعلق تمہارا کیا خیال ہے۔؟

ان آیات میں یہ کہا گیا ہے کہ حضرت ابراہیم اپنی قوم کو بت پرستی سے روکنے کی کوشش کرتے رہتے تھے۔ اس کے بعد کہا ہے کہ وہ بت پرستی کے خلاف ہی نہیں بلکہ ستارہ پرستی کے خلاف بھی تبلیغ کرتے رہتے تھے

فَنَظَرَ نَظْرَةً فِي النُّجُومِ ۝ فَقَالَ إِنِّي سَقِيمٌ ۝ فَتَوَلَّوْا عَنْهُ مُدْبِرِينَ ۝ (۳۷/۸۸-۹۰)

وہ ان کے معبود ستاروں میں طرح طرح کے نقائص نکال کر انہیں سمجھاتا اور ان سے کہتا کہ میں تمہاری ان باتوں سے سخت نالاں ہوں اور ان معبودوں سے سخت بیزار۔ وہ اس کی باتوں کا کوئی جواب نہ دے سکتے۔ اور منہ پھیر کر چل دیتے۔

اس کے بعد وہی "بت شکنی" کا واقعہ سامنے آتا ہے۔ حضرت ابراہیم نے ایک مرتبہ دیکھا کہ معبد خالی ہے۔ وہ اندر جا گھسے۔ دیکھا کہ بتوں کے سامنے کھانے پینے کی چیزیں بطور چڑھاوا رکھی ہیں ان سے طنزاً کہنے لگے کہ

أَلَا تَأْكُلُونَ ۝ مَا لَكُمْ لَا تَنطِقُونَ ۝ (۳۷/۹۱-۹۲)

تم انہیں کھاتے نہیں؟ تمہیں کیا ہوا ہے کہ تم کچھ بولتے بھی نہیں؟

اس کے بعد:

فَرَاغَ عَلَيْهِمْ ضَرْبًا بِالْيَمِينِ ۝ (۳۷/۹۳)

پھر اپنے دائیں ہاتھ سے (یعنی پوری قوت کے ساتھ) ان پر ایک ضرب رسید کی (اور سب کو توڑ ڈالا)۔

لوگوں کو جب معلوم ہوا تو بھاگتے ہوئے معبد کی طرف آئے۔

فَأَقْبَلُوا إِلَيْهِ يَزِفُّونَ ۝ (۳۷/۹۴)

پھر جب لوگوں کو معلوم ہوا تو) ابراہیم کی طرف دوڑتے ہوئے آئے۔

باقی تذکرہ سورۂ انبیاء میں گزر چکا ہے۔ انکشاف حقیقت کے بعد آپ نے فرمایا۔

قَالَ أَتَعْبُدُونَ مَا تَنْحِتُونَ ۝ وَاللَّهُ خَلَقَكُمْ وَمَا تَعْمَلُونَ ۝ (۳۷/۹۵-۹۶)

ابراہیم نے کہا۔ کیا تم ان بتوں کی پرستش کرتے ہو۔ جنہیں (اپنے ہاتھوں سے) تراشتے ہو۔ حالانکہ خدا نے ہی تمہیں پیدا کیا ہے اور (تمہارے اُن تمام افعال کو بھی) جو کچھ تم کرتے ہو۔

اس پر غم و غصہ کا طوفان امنڈ آیا اور انہوں نے کہا۔

قَالُوا ابْنُوا لَهُ بُنْيَانًا فَأَلْقُوهُ فِي الْجَحِيمِ ۝ (۳۷/۹۷)

لوگوں نے کہا (بس بہت ہو چکی) اب اس کے واسطے ایک آتش خانہ بناؤ اور اسے دہکتی ہوئی آگ میں ڈال دو۔

اس کے بعد کیا ہوا؟ اسے آگے چل کر بیان کیا جائے گا۔ اس دوران میں ایک ارتقاء (DEVELOPMENT) ہو گئی۔ پہلے اسے دیکھ لیجئے۔

دعوت ابراہیمی کا تذکرہ آگے بڑھا۔ بات ایسی نہ تھی جو چھپی رہ جاتی، اسے بادشاہِ وقت تک پہنچایا گیا۔ اس زمانے کے مطلق العنان بادشاہ، جیسے استبداد کے مجسمے ہوا کرتے ہیں، دعوتِ توحید میں، دیوتاؤں کی خدائی سے زیادہ، خود اپنی خدائی چھن جانے کا خوف تھا۔ حضرت ابراہیم کو بلایا اور خدائے واحد کے بارے میں بحث و جدل شروع کر دی۔ سورۂ بقرہ کے پینتیسویں رکوع میں ہے۔

أَلَمْ تَرَ إِلَى الَّذِي حَاجَّ إِبْرَاهِيمَ فِي رَبِّهِ أَنْ آتَاهُ اللَّهُ الْمُلْكَ ۝ (۲/۲۵۸)

(اے پیغمبر!) کیا تم نے اس شخص کی حالت پر غور نہیں کیا۔ جس نے ابراہیم سے اس کے پروردگار کے بارے میں حجت کی تھی کہ خدا نے اسے بادشاہت دے رکھی تھی؟ (یعنی تاج و تخت شاہی نے اس کے اندر ایسا گھمنڈ پیدا کر دیا تھا کہ خدا کے بارے میں حجت کرنے لگا تھا)

بادشاہ نے پوچھا کہ تم غیر اللہ کی پرستش چھڑا کر جس خدا کی طرف دعوت دیتے ہو، اس خدا کی خصوصیات کیا ہیں؟ آپ نے فرمایا۔

إِذْ قَالَ إِبْرَاهِيمُ رَبِّيَ الَّذِي يُحْيِي وَيُمِيتُ ۝ (۲/۲۵۸)

ابراہیم نے کہا۔ میرا پروردگار وہ ہے جس کے قانون کے مطابق موت اور زندگی کے فیصلے ہوتے ہیں۔

اس کے جواب میں اس سرکشی و طغیان کے پیکر نے اپنی پوری شانِ غرور سے کہا کہ میں کا کیا ہے؟

قَالَ أَنَا أُحْيِي وَأُمِيتُ ۝ (۲/۲۵۸)

میری مملکت میں موت اور زندگی کے فیصلے میرے حکم سے ہوتے ہیں۔

یہاں پھر وہی بات سامنے آئی، جس کا تجربہ قوم کی طرف سے ہو چکا تھا۔ حضرت ابراہیم کی یہ دلیل بڑی لطیف و بلند تھی۔ لیکن آپ نے دیکھا کہ محسوسات کے بت کدے میں گھرا ہوا بادشاہ حقیقت کو مجاز کا نقاب اڑھا کر اپنے آپ کو اور دوسروں کو دھوکہ دینا چاہتا ہے۔ آپ چاہتے تو اس دلیل کی رو سے بیسیوں دلیلیں پیش کر دیتے۔ لیکن وہاں پیش نظر مناظرانہ فتحمندی نہ تھی بلکہ مقصد احقاقِ حق تھا۔ چنانچہ آپ نے اس دلیل کو چھوڑ کر، جس کے تعاقب سے نظری بحث میں الجھ کر اصل مقصد سے دور نکل جانے کا خطرہ تھا۔ فوراً محسوس طریق استدلال اختیار کیا اور فرمایا

فَإِنَّ اللَّهَ يَأْتِي بِالشَّمْسِ مِنَ الْمَشْرِقِ فَأْتِ بِهَا مِنَ الْمَغْرِبِ ۝ (۲/۲۵۸)

اچھا اگر ایسا ہی ہے تو اللہ سورج کو پورب کی طرف سے (زمین پر) طلوع کرتا ہے تم پچھم سے نکال دکھاؤ (تاکہ معلوم ہو جائے کہ تمہیں کائنات خلقت میں طاقت و تصرف حاصل ہے)

یعنی اگر تم سمجھتے ہو کہ تم خدائی قوتوں کے مالک ہو۔ تو لاؤ سورج کو مغرب سے نکال کر دکھاؤ۔ ساری دنیا کو معلوم ہو جائے گا کہ تمہیں کس قدر اختیارات حاصل ہیں۔ اس تحدی کا جواب کچھ نہیں تھا۔ چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

فَبُهِتَ الَّذِي كَفَرَ ۝ (۲/۲۵۸)

وہ بادشاہ، جس نے انکار کی راہ اختیار کر رکھی تھی اپنا سا منہ لے کر رہ گیا

لیکن اس کے باوجود اسے اعترافِ حقیقت کی جرأت نصیب نہ ہوئی۔ کیونکہ اس سے اپنی جھوٹی عزت و عظمت پر حرف آتا تھا۔ اور "خدائی" کی جگہ "بندگی" اختیار کرنی پڑتی تھی۔

مجلس اقبال

مثنوی اسرارِ خودی

باب (مسلسل) سوم

اس کے بعد حضرت علامہ کہتے ہیں۔

کیفیتہا خیزد از صہبائے عشق
ہست ہم تقلید از اسمائے عشق

شراب عشق سے انسان کے اندر عجیب عجیب کیفیات پیدا ہوتی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ عشق اور تقلید ایک ہی چیز کے دو نام ہیں۔ تقلید سے یہاں مراد فقہ کا تقلیدی مسلک نہیں بلکہ اس سے مراد اتباع اور اطاعت ہے۔ وہ کہتے یہ ہیں کہ محبوب کے عشق سے مقصود یہ ہے کہ اس کی کامل اتباع کی جائے چنانچہ اس کو وہ ایک مثال سے واضح کرتے ہیں جس میں کہتے ہیں کہ

کاملے بسطام در تقلید فرد
اجتناب از خوردنِ خربوزہ کرد

حضرت بایزید بسطامی ایک مشہور صوفی گزرے ہیں۔ یہ مجوسی الاصل تھے لیکن بعد میں تصوف کے ذریعہ سلسلہائے خلائق بن گئے۔ ان کے متعلق کہتے ہیں کہ وہ سنت رسول اللہؐ کی اتباع میں انتہا تک پہنچے ہوئے تھے۔ حتیٰ کہ کھانے پینے اور رہنے سہنے میں بھی حضورؐ ہی کا انداز اختیار کرتے تھے انہوں نے ایک مرتبہ اس بنا پر خربوزہ کھانے سے انکار کر دیا کہ انہیں معلوم نہ تھا کہ رسول اللہؐ نے خربوزہ کس طرح کھایا تھا۔ علامہ اقبال اس سے یہ کہنا چاہتے ہیں کہ محبوب کی اتباع میں انسان کی یہ کیفیت ہو جانی چاہیئے کہ وہ جزئیات تک میں اسی رنگ میں رنگا جائے۔ (یہ بہرحال تصوف ہے)

عاشقی؟ محکم شو از تقلیدِ یار
تا کمندِ تو شود یزداں شکار

تجھے عاشقی کا دعوے ہے تو اس دعوے کی صداقت کا ثبوت یہ ہے کہ تو محبوب کی اتباع میں پختہ سے پختہ تر ہو جائے۔ اس کا نتیجہ یہ ہوگا کہ تو خود خدا کو شکار کرے گا۔ وہ تیری کمند میں آجائے گا۔ تصوف میں مقصود زندگی خدا تک پہنچ جانا یا خدا کی ذات میں جذب ہو جانا ہے۔ اس کا طریق یہ بتایا جاتا ہے کہ انسان پہلے اپنے شیخ کی محبت میں فنا ہو جائے اور اس کے بعد فنا فی الرسول کا درجہ حاصل کرے۔ جب وہ اس مقام میں پختہ ہو جائے گا تو پھر اسے خدا کا وصل بھی حاصل ہو جائے گا۔ اس کے لئے علامہ اقبال خود سیرت رسول اللہؐ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے تین مراحل بیان کرتے ہیں یعنے

اندکے اندر حرائے دل نشیں
ترکِ خود کن سوئے حق ہجرت گزیں
محکم از حق شو سوئے خود گام زن
لات و عزائے ہوس را سر شکن
لشکرے پیدا کن از سلطانِ عشق
جلوہ گر شو بر سرِ فارانِ عشق

پہلا مرحلہ یہ ہے کہ تو اپنی ذات میں تفکر اور اپنے نفس کی بصیرت کے لئے حرا کی خلوتوں میں جذب ہو جا۔ اس طرح اپنے آپ کو طے کرنے سے پہلا مرحلہ طے ہو جائے گا۔ یہاں اقبال نے "ترک خود کن" کہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اس سے مراد نفی خودی نہیں کیونکہ اگر یہ مراد لی جائے تو یہ چیز اقبال کی ساری تعلیم کے خلاف جائے گی۔ اس سے مراد ضبط نفس ہے اپنے آپ پر کنٹرول سے اپنی قوتوں کو مقصد پیش نظر کے حصول کے لئے محفوظ کر لینا اور اس طرح محکم سے محکم تر ہوتے چلے جانا۔ اسے اقبال نے "سوئے حق" ہجرت کے نام سے تعبیر کیا ہے۔ یعنی سب کچھ چھوڑ کر صرف خدا کو مقصود بنا لینا یہ پہلا مرحلہ ہے۔ جب حق کو مقصود بنانے سے انسان کے اندر مزید استحکام حاصل ہو جاتا تو پھر وہ حرا کی خلوتوں سے نکل کر عالم انسانی کی طرف واپس آتا ہے۔ اسے اقبال نے دوبارہ "سوئے خویش" آنے سے تعبیر کیا ہے اس سے انسان اپنی خواہشات کے بتوں کو توڑتا ہے اور یوں کعبہ دل کو ان اصنام سے پاک کر دیتا ہے۔ جب اس عشق و محبت کی رو سے عاشق کو قوت حاصل ہو جاتی ہے تو پھر وہ اپنے پیغام کو لے کر فاران کی چوٹیوں پر جلوہ بار ہو جاتا ہے۔

"تا خدائے کعبہ بنوازد ترا
شرح "انی جاعل" سازد ترا

حضرت علامہ کہتے ہیں کہ یہ کچھ اس لئے ہونا چاہیئے "تاکہ خدائے کعبہ تجھے انسانیت کے بلند ترین مقامات عطا کر دے اور اس طرح تو نیابت حق کے مقام پر سرفراز ہو جائے۔ اس شعر پر اس باب کا خاتمہ ہو جاتا ہے۔ [واضح رہے کہ "حرا خلوت" سے مراد رہبانیت کا تجرد نہیں۔ اس سے مقصود تفکر و تدبر ہے۔ نہ ہی "نیابت حق" سے مراد "خلیفۃ اللہ فی الارض" ہے۔ اس سے مراد دنیا میں خدا کے قانون کو نافذ کرنے والا ہے۔]

باب چہارم

دربیان ایں کہ خودی از سوال ضعیف می گردد

سابقہ باب میں حضرت علامہ نے بتایا ہے کہ خودی کے مستحکم ہونے کا کیا طریق ہے۔ اس باب میں وہ یہ بتلاتے ہیں کہ خودی کمزور کس طرح سے ہو جاتی ہے۔ ان کا کہنا یہ ہے کہ خودی سوال اور احتیاج سے کمزور ہوتی ہے۔ جب انسان دوسروں کے سامنے دست سوال دراز کرتا ہے تو وہ مقام انسانیت سے بہت نیچے گر جاتا ہے۔ انسان کو اپنے اندر خدا کی صفت صمدیت کو پیدا کرنا چاہیئے۔ جس کے معنی یہ ہیں کہ وہ دنیا میں کسی کا محتاج نہ ہو۔ اس کے لئے وہ لکھتے ہیں کہ

اے فراہم کردہ از شیراں خراج
گشتۂ روبہ مزاج از احتیاج

اس میں تخاطب امت اسلامیہ سے ہے۔ وہ مسلمان سے کہتے ہیں کہ تو وہ ہے جس نے شیروں تک سے خراج حاصل کر لیا تھا۔ لیکن اب احتیاج نے تیری حالت یہ کر دی ہے کہ تو بالکل لومڑی بن چکا ہے

خستگیہائے تو از ناداری است
اصلِ دردِ تو ہمیں بیماری است

تو اسباب زوال امت کی تحقیق کے لئے کیٹیاں بٹھاتا ہے لیکن تیرے زوال کا بنیادی سبب یہ ہے کہ تو دوسروں کا محتاج ہو گیا ہے۔ تیرے درد کی بنیادی علت یہی بیماری ہے۔ اس لئے کہ افلاس وہ لعنت ہے کہ

می رباید رفعت از فکرِ بلند
می کشد شمعِ خیالِ ارجمند

افلاس، انسان کے ذہن کو فکری بلندی سے محروم کر دیتا ہے۔ اس کے دماغ میں کوئی بڑا خیال آہی نہیں سکتا۔ یوں سمجھئے کہ اس کی فکر و نظر کی تمام شمعیں گل ہو جاتی ہیں۔ اس کا علاج یہ ہے کہ

از خمِ ہستی مئے گلفام گیر
نقد خود از کیسۂ ایام گیر

تو اپنے لئے توانائیوں کا سامان کسی دوسرے سے نہ مانگ۔ تو خود اپنی ذات سے وہ شراب پیدا کر جو تجھ میں زندگی اور حرکت پیدا کر دے۔ وقت بہت بڑی متاع ہے۔ زمانے کے پاس بہت بڑے خزانے ہیں۔ تو اس سے یہ متاع اور یہ خزانے حاصل کر۔

خط و کتابت کرتے وقت خریداری نمبر کا حوالہ ضرور دیجئے ورنہ عدم تعمیل کی شکایت نہ ہو۔

اسلام کی سرگزشت

زمانۂ جاہلیت میں عربوں کی حیات عقلیہ اور اس کے مظاہر سے گفتگو کرلینے کے بعد بتایا گیا تھا کہ اسلامی تعلیمات نے عربوں کی زندگی پر کیا اثرات کئے تھے۔ آج کی فرصت میں یہ بتایا جارہا ہے کہ اسلام کے بعد دراصل جاہلی عقلیت اور اسلامی عقلیت کا تقدم شروع ہوا اور اس تصادم کے نتیجہ میں یہ سمجھنا غلط ہے کہ اسلام نے تمام عربوں پر یکساں اثرات مرتب کر دیئے تھے اور عربوں کی ذہنی دنیا میں ہرطرح مکمل انقلاب پیدا کر دیا تھا۔

چنانچہ تقریباً ایک سو مسلمانوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرلی اور نبی صلعم اور تھوڑے سے صحابہؓ کو آپ کے ساتھ چھوڑ کر وہ مکہ سے نکل گئے۔ مگر اسلام یا بالفاظ دیگر نئی عقلیت اس وقت تک نہیں پھیل سکی جب تک رسول اللہ صلعم اور باقی صحابہ نے مدینہ کی طرف ہجرت کرکے قریش کو فوجی حیثیت سے شکست نہیں دیدی۔ واقعہ یہ ہے کہ یہ نزاع جو اولاً رسول اللہ صلعم اور قریش کے مابین تھا۔ پھر دوسرے درجہ میں یہ نزاع مکی اور مدنی لوگوں کا نزاع بن گیا، اور اس کے بعد نومسلموں اور غیرمسلموں کا نزاع بنا رہا درحقیقت دو مختلف عقلیتوں کے درمیان کا نزاع تھا۔ ایک طرف بت پرستانہ عقلیت تھی جس میں لذائذ و نعائم مباح ہوتے تھے۔ ہر شخص کو بہت بڑی حد تک حریت اور آزادی حاصل ہوتی تھی اور خاص پیمانوں کے مطابق اس میں اخلاق و عادات کے انداز سے قائم کئے جاتے تھے۔ اس کے مقابلہ میں ایک دوسری عقلیت تھی جس میں بتوں کو بُری طرح روندا جاتا۔ اور ہر ممکن طریقہ سے ان کی توہین کی جاتی تھی اور ان کو توڑ دیا جاتا تھا۔ لذائذ و نعائم اس میں بھی حلال ہوتے تھے مگر ایک خاص حد تک۔ اس میں لوگوں سے ٹیکس لئے جاتے تھے تاکہ انہیں فقراء اور عام صالح افراد پر خرچ کیا جائے۔ حریت اور آزادی پر ہرقسم کی پابندیاں عائد کر دی گئی تھیں۔ خاص اوقات میں خاص عبادتیں مقرر تھیں۔ ملکیت کا احترام کیا جاتا تھا اخلاق کی قیمت اس میں یکسر تبدیل کر دی گئی تھی۔ چنانچہ انتقام اور خون کا بدلہ لینا اس میں کوئی اچھی خصلت نہیں سمجھی جاتی تھی۔

ان دونوں حالتوں میں عقلیت جاہلیہ اور عقلیت اسلامیہ میں جو فرق تھا اسے بہترین تعبیر کے ساتھ حضرت جعفر بن ابی طالبؓ — جو ان مسلمانوں میں سے ایک تھے جنہوں نے حبشہ کی طرف ہجرت کرلی تھی۔ بیان کیا تھا۔ جب انہوں نے نجاشی کے دریافت کرنے پر جواب میں کہا۔ ہم جاہلیت کی ایک قوم تھے۔ بتوں کی پرستش کرتے تھے۔ مُردار کھاتے تھے۔ شرمناک افعال کے مرتکب ہوتے تھے۔ قطع رحمیاں کرتے تھے پڑوسیوں کے ساتھ بُرا سلوک کرتے تھے۔ ہم میں سے جو لوگ قوی ہوتے تھے وہ کمزوروں کو کھا جاتے تھے۔ ہم اس حالت میں تھے حتیٰ کہ خدا نے ہماری طرف ایک رسول بھیجا جو ہماری قوم میں سے ہے۔ ہم اس کے خاندان سے واقف ہیں۔ اس کے صدق و امانت اور پاک دامنی کو جانتے ہیں۔ اس نے ہمیں اللہ کی طرف بلایا تاکہ ہم اسے یگانہ و یکتا تسلیم کریں اور صرف اس کی عبادت و اطاعت کریں اور جن چیزوں — پتھروں اور بتوں کی عبادت ہم اور ہمارے باپ دادے کرتے آرہے تھے ان کو چھوڑ دیں اس رسول نے ہمیں حکم دیا کہ ہم سچ بولیں۔ امانت میں خیانت نہ کریں۔ صلہ رحمی کریں۔ پڑوسیوں کے ساتھ اچھا برتاؤ کریں۔ ناجائز کاموں اور خون ریزیوں سے بچیں۔ اس نے ہمیں شرمناک باتیں کرنے، جھوٹ بولنے، یتیم کا مال کھا جانے، پاک دامن عورتوں پر تہمت لگانے سے منع کیا۔ اور ہمیں حکم دیا کہ ہم صرف ایک خدائے یگانہ و یکتا کی عبادت کریں، کسی کو اس کے ساتھ شریک نہ کریں۔ ساتھ ہی اس نے ہمیں صلوٰۃ۔ زکوٰۃ اور روزہ کا حکم دیا۔ ہم نے اس رسول کی تصدیق کی اور اس پر ایمان لے آئے۔ ہماری قوم ہم پر تعدی کرنے لگی اور طرح طرح کے عذاب دے کر ہمیں اپنے دین سے برگشتہ کرنے کے لئے مجبور کرنے لگی تاکہ ہم پھر بتوں کی پرستش شروع کر دیں اور اللہ کی عبادت کرنا چھوڑ دیں اور جن خبائث کو ہم شیرمادر سمجھا کرتے تھے اب بھی انہیں شیرمادر کی طرح حلال سمجھنے لگیں۔ جب ان لوگوں نے ہم پر ستم توڑے اور مجبور کر دیا۔ زندگی کی راہیں تنگ کر دیں اور ہمارے اور ہمارے دین کے درمیان میں حائل ہونے لگے تو ہم وہاں سے نکل کر تمہارے ملک میں آگئے۔

یہ قصہ اگرچہ غالب گمان یہی ہے کہ وضع کردہ من گھڑت ہے۔ کیونکہ اس میں روزہ کا ذکر آیا ہے حالانکہ روزہ حبشہ کی طرف ہجرت کر جانے کے بعد فرض ہوا تھا۔ اس کے علاوہ چند اور چیزیں بھی ایسی ہیں، تاہم یہ قصہ اس نزاع کی تمثیل صحیح طرح پر کر دیتا ہے جو دونوں عقلیتوں کے درمیان برپا تھا۔

پروفیسر "گولڈزیہر" نے اسلام اور عرب جاہلیت کے فضائل کے درمیان نقطہ ہائے اختلاف پر ایک مستقل باب میں بحث کی ہے جس کا عنوان۔ "دین و مروت" رکھا ہے۔ جس کا خلاصہ آخر میں انہوں نے یہ دیا ہے کہ "اسلام نے زندگی کا وہ بلند نمونہ مقرر کیا جو جاہلیت کی زندگی کے بلند نمونہ سے مختلف تھا۔ یہ دونوں نمونے آپس میں مشابہت نہیں رکھتے تھے بلکہ اکثر اوقات ایک دوسرے کے متضاد تھے۔ انفرادی اور شخصی شجاعت۔ بے حد و نہایت شہامت، اسراف کی حد تک پہنچی ہوئی سخاوت، قبیلہ کے لئے مکمل اخلاص۔ انتقام لینے میں سخت دلی۔ ان لوگوں سے خون کا بدلہ لینا جنہوں نے تم پر تعدی کی ہو یا ان کے قریبی اعزاء یا ہم قبیلہ لوگوں سے جاہلیت میں بُت پرست عربوں کے ہاں یہ چیزیں فضائل شمار ہوتی تھیں۔ لیکن اسلام میں ان کے مقابل اللہ اور قانون خداوندی کے لئے خضوع اور اطاعت، ثبات و صبر شخصی اور قبائلی منفعتوں کو دینی احکام کے تابع رکھنا، قناعت نسلی غرور، اور کثرت اموال پر فخر نہ کرنا، تکبر اور عظمت سے دور رہنا، زندگی میں ایک انسان کے لئے زندگی کا بلند ترین نمونہ ہوتا تھا۔"

پروفیسر "گولڈزیہر" کے مندرجہ بالا اقتباس سے ظاہر ہے کہ اسلام اور جاہلیت کے ادوار میں زندگی کے بلند معیار باہم متضاد اور مختلف تھے۔ زمانۂ جاہلیت میں جو چیزیں زندگی کا بلند معیار ہوتی تھیں وہ اسلامی دور میں زندگی کا بلند معیار نہیں رہیں۔ مثلاً اسراف کی حد تک سخاوت زمانۂ جاہلیت میں زندگی کا بلند معیار تھی۔ مگر اسلام نے اسراف کو قطعاً پسند نہیں کیا۔ انتقام لینے میں مجرم اور مجرم کے قبیلہ اور اعزا میں فرق نہ کرنا قطعاً اسلامی تعلیمات کے منافی ہے۔ مگر یہی چیز زمانۂ جاہلیت کے عربوں میں نہایت مستحسن شمار ہوتی تھی۔ قبیلہ کے لئے مکمل خلوص خواہ وہ حق پر ہو یا باطل پر قطعاً غیر اسلامی معیار زندگی تھا۔ اس کے برعکس اسلامی زندگی کا معیار حق کا ساتھ دینا ہے، خواہ اس کے لئے اپنے خاندان اور کسی قریب ترین عزیز بلکہ خود اپنی ذات تک ہی کو نقصان کیوں نہ جھیلنا پڑے۔ اس سے ظاہر ہے کہ اسلام نے زمانۂ جاہلیت کے عربوں کے سامنے اقدار کی قیمتیں ہی بدل دی تھیں۔ جو چیزیں ان کے ہاں قدیم الایام سے حسنات میں شمار ہوتی آرہی تھیں وہ اب سیئات میں شمار ہوتی تھیں۔ اور جو چیزیں سیئات میں شمار ہوتی تھیں ان کا شمار اب حسنات میں ہونے لگا تھا۔ یہ ایک سرتاپا انقلاب تھا جس کو کامیاب ہونے کے لئے بڑی سعی و کاوش اور طویل زمانہ ہی درکار ہو سکتا تھا۔ بقول شخصے سو برس کا دلوں میں جما ہوا رام رام بیک جنبش نظر رحیم میں تبدیل نہیں ہو سکتا تھا۔ جو لوگ اس غلط فہمی میں مبتلا ہیں اور سمجھتے ہیں کہ تیئیس سالہ عرصۂ نبوت میں عرب کا زمین و آسمان ہی بدل گیا تھا اور عربوں کی فطرت اور طبیعت ہی یکسر تبدیل ہوگئی تھی۔ وہ دراصل تاریخ اور حقیقت سے چشم پوشی کرنا چاہتے ہیں۔

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟
اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے
اس کے جواب میں
پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری
کے مقالات۔ جنہوں نے فکر و نظر کی
نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات۔ قیمت
دو روپیہ۔
ناظم ادارۂ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس ۱۳۱۳۔ کراچی

انڈونیشیا

حسن و اضطرابات کے جزائر کا مجموعہ

(انڈونیشیا کے متعلق ذیل کے تصورات مغرب کے ایک مشہور مصنف JAMES.A MICHENER کے قلم سے، اکتوبر ۴۹ء کے ماہنامہ "ریڈرز ڈائجسٹ" میں شائع ہوئے ہیں۔ جن کا آزاد ترجمہ پیش ناظرین ہے واضح رہے کہ یہ ایک مغربی مصنف کے تصورات ہیں۔ انہیں اسی نگاہ سے دیکھئے۔ طلوع اسلام)

جس شخص نے انڈونیشیا کو نہیں دیکھا وہ اس کی عظمت و شوکت کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔ ذرا خیال کیجئے کہ تین ہزار سے زیادہ جزائر، خط استوا کے ساتھ متوازی، یہاں سے وہاں تک پھیلے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ تیل۔ سونا۔ ربڑ۔ ٹین۔ لوہا اور شکر سے بھرے ہوئے ..... ان جزائر کے کشت زاروں اور باغات کے اندر نہایت چمکیلے اور حسین باشندے آزادی کی فضا میں سانس لیتے ہیں۔

ایک عرصہ تک انڈونیشیا کا نام "ڈچ ایسٹ انڈیز" تھا۔ یہ قوم اب اقوام متحدہ کے خاندان میں سب سے کم عمر ہی نہیں بلکہ دنیا کی بڑی بڑی سلطنتوں میں اس کا شمار ساتویں نمبر پر ہوتا ہے۔ اس کی آبادی، روس کو چھوڑ کر، یورپ کے ہر ملک سے زیادہ ہے۔ ایشیا سے جتنی چیزیں دوسرے ممالک میں پہنچیں وہ ہمیشہ انڈونیشیا کے راستہ سے باہر گئیں۔ آپ دیکھیں گے کہ ہوائی اور نیوزی لینڈ جیسے ممالک میں جو انسان، حیوان اور پودے ملتے ہیں وہ اسی راستے ایشیا سے وہاں پہنچے تھے۔

ان دنوں کمیونزم کی یہ کوشش ہے کہ وہ چین سے ابھر کر ان جزائر پر چھا جائے تاکہ انڈونیشیا دنیا میں ایک خاص اہمیت حاصل کر لے۔ اگر کمیونزم نے اس ملک پر اپنا تسلط جما لیا تو جنوب مشرقی ایشیا اور آسٹریلیا دونوں خطرے میں آ جائیں گے۔ اس کے برعکس اگر اس ملک میں جمہوریت متمکن ہو گئی تو جنوب مشرقی ایشیا اور اس کے گرد و نواح کے وسیع و عریض علاقہ میں آزادی کے لئے بہت اچھے مواقع پیدا ہوں گے۔ آیئے! ان اہم جزائر پر ایک طائرانہ نگاہ ڈالیں۔

جاوا صبح سویرے کا وقت ہے اور آپ ایک چھوٹے سے کھیت کے کنارے کھڑے ہیں۔ ایسا نظر آئے گا کہ آپ کسی پرستان میں جا نکلے ہیں۔ اس کھیت کا رقبہ ایک ایکڑ کے تہائی سے بھی کم ہے لیکن اس کے گرد کانٹوں کے بجائے پھولوں کی باڑ ہے۔ اس کے اندر نگینیاں اور شادابیاں اس طرح مسرت کا جھولا جھول رہی ہیں کہ آپ اسے کوئی اور دنیا سمجھنے پر مجبور ہو جاتے ہیں۔ پورے کے پورے جاوا کی مثال اس چھوٹی سی کشت زار کو سمجھ لیجئے۔

اس چھوٹے سے کھیت پر پانچ نفوس کام کرتے ہیں لیکن اس سے اتنا غلہ پیدا ہوتا ہے جس سے ان کی ضروریات بھی پوری ہو جاتی ہیں اور فاضل غلہ شہر میں بھیجنے کے لئے بھی بھیجا جا سکتا ہے۔ اناناس، شکر قند۔ کیلا وغیرہ بڑی افراط سے ہوتے ہیں۔ کھیت کی باڑ سے ملحقہ ایک چھوٹا سا تالاب ہے۔ مچھلیوں سے لبریز ہے۔ اور کھیت کے چاروں طرف ناریل، پپیتا۔ آم۔ اور سنترے کے درخت پھلوں سے لدے کھڑے ہیں۔

جس مکان میں آپ ٹھہرے ہیں وہ کچا ہے۔ اس کے برآمدے کے سامنے ایک آتش فشاں پہاڑ نظر آتا ہے جس کے دامن میں دھان کے سینکڑوں کھیت بالکل سیڑھیوں کی طرح واقع ہیں۔ اس طرح کہ اگر سب سے اونچے کھیت میں پانی دیدیا جائے تو وہ پانی نیچے کے کھیت تک خود بخود چلا آتا ہے اور ہر ایک کھیت کو سیراب کئے چلا جاتا ہے۔ یہاں کھڑے آپ جس طرف بھی نظر دوڑائیں گے آپ کو چھوٹے چھوٹے تالابوں میں کالی کالی بھینسیں اور فضا کی پہنائیوں میں خوبصورت پرندے نظر آئیں گے۔ دوسری طرف پہاڑ کی چوٹیوں سے پانی سے لدے ہوئے بادل ابھرتے اور تیرتے دکھائی دیں گے۔ یہاں سے یہ تقریباً تیس ہزار فٹ کی بلندی پر جا کر ایک نیلگوں چھت کی طرح پورے جزیرے پر چھا جائیں گے۔

یہاں کے باشندے محنتی اور جفاکش ہیں وہ دن بھر کھیتوں میں کام کرتے ہیں اور شام کے بعد سب کے سب ایک جشن مسرت کے لئے اکٹھے ہو جاتے ہیں جسے یہاں کی مقامی اصطلاح میں "سلامتان" کہتے ہیں۔ اس میں کھانا بھی ہوتا ہے اور موسیقی بھی۔ شور بھی۔ اور غوغا بھی۔ گاؤں میں کوئی خوشی کا واقعہ ہو؛ اس کی تقریب میں "سلامتان" ضرور منایا جائے گا۔ گائے کا بچھڑا پیدا ہو، دھان کی فصل گھر میں آئے۔ یا کسی کی لڑکی کی شادی ہو "سلامتان" کا انعقاد ضرور ہوگا۔ بھونا ہوا بچھڑا اور مسالہ دار چاول۔ سلامتان کا مرغوب کھانا ہے۔ ابھی کچھ عرصہ سے اس سلامتان میں سنیما کے فلم بھی دکھائی دینے لگے ہیں۔

یہاں کی آبادی بڑی گھنی ہے جس کا مقابلہ دنیا کا کوئی دوسرا ملک شاید ہی کر سکتا ہو۔ کم و بیش ایک ہزار نفوس فی مربع میل۔ اس کے باوجود وہاں خوراک کی بالکل کمی نہیں اور افلاس کا نام و نشان دکھائی نہیں دیتا۔ ان کے آتش فشاں پہاڑ ان کی خوراک کا انتظام کر دیتے ہیں۔ ان کے ارد گرد کم و بیش پچاس آتش فشاں پہاڑ ہوں گے۔ انہوں نے ملحقہ زمینوں پر اس قدر زرخیز راکھ بکھیر دی ہے کہ ان میں اب کسی کھاد کی ضرورت نہیں پڑتی۔ اور پیداوار اتنی زیادہ ہوتی ہے کہ اس کا اندازہ نہیں کیا جا سکتا۔

غذا کی افراط نے ان لوگوں میں فنون لطیفہ کا ذوق پیدا کر دیا ہے۔ یہاں کا آرکسٹرا ایشیائی موسیقی کا مظہر ہے۔ لوگ قریب قریب ان پڑھ ہیں لیکن ان کے تھیٹر بڑے مشہور ہیں۔ ان کے ڈرامہ نگار اپنے معاشرت پر کڑی تنقیدی نگاہ رکھتے ہیں۔

ملبوسات میں ایک کہکشانی قسم کا کپڑا تقریباً ساتویں صدی سے مروج چلا آتا ہے۔ اس کے رنگنے کا طریق عجیب ہے۔ کپڑے کے بعض حصے پر موم لگا دیتے ہیں اور باقی کو ویسا ہی چھوڑ دیتے ہیں۔ اس کے بعد اسے رنگ میں ڈبوتے ہیں تو مومی حصہ سفید رہ جاتا ہے۔ اس طرح اسے بار بار رنگنے سے اسے مختلف رنگوں کا لہریا بنا دیا جاتا ہے۔

جہاں تک فن تعمیر کا تعلق ہے ان کے ہاں مہاتما بدھ کی یادگار میں ایک معبد بنا ہوا ہے جو ایشیائی حسن تعمیر کا بہت اچھا نمونہ ہے۔ یہ اس زمانہ کی یاد دلاتا ہے جب یہاں بدھ حکمران تھے۔

جاوا کی روح ہندوستانی ہے۔ اس کا نام انڈونیشیا ایک جرمن جغرافیہ دان نے رکھا تھا۔ اس کے معنی ہیں "انڈیز کے جزائر"۔ اس ملک میں ہندوستان کا مذہب اور وہاں کی پرانی کہانیاں؛ انہیں ملکہ گیان دھیان کے طور طریقے ذات، پات اور لمبے مہاراجے بھی وہیں کے ہیں۔ ۱۲۹۲ء کے قریب جب مارکوپولو انڈونیشیا گیا ہے تو یہاں ہندوستان کے راستہ ایک نیا مذہب چلا آ رہا تھا۔ یہ مذہب اسلام تھا۔ اس سے یہاں کے باشندے بہت مطمئن ہو گئے۔ جس کا نتیجہ یہ ہے کہ آج انڈونیشیا دنیا میں مسلمانوں کی ایک بڑی مملکت شمار ہوتی ہے۔ لیکن اسلام کے راستے میں ایک ایسی رکاوٹ آ گئی جس کی وجہ سے یہ زیادہ تیزی سے پھیل نہ سکا۔ قدامت پرست مسلمانوں نے جاوا کی عورتوں کو برقعہ پہنانا چاہا۔ کہتے ہیں کہ ان عورتوں نے برقعہ کی ہنسی اڑائی اور اسے پہننے سے انکار کر دیا۔

\+ + + + + +

بالی جاوا سے مشرق کی طرف چند میلوں کے فاصلہ پر بالی کا جزیرہ واقع ہے جو بڑا ہی خوبصورت اور تعجب انگیز ہے۔ بیسویں صدی کے شروع تک اس جزیرہ کا کوئی نام تک نہیں جانتا تھا۔ اب بھی اس میں ہندو بستے ہیں۔ مسلمانوں نے اس میں اپنا عمل دخل چاہا لیکن کامیاب نہ ہو سکے۔ ولندیزی حکمرانوں نے بھی چاہا

اس پر پُرامن طریقے سے تسلط جمالیا جائے۔ لیکن وہ کبھی ناکام رہے۔ لیکن ۱۹۰۸ء کا واقعہ ہے کہ اس ملک کے راجہ کے حکم سے جزیرہ کی تمام آبادی۔ عورتیں۔ مرد، بچے، ہاتھوں میں چھڑیاں لئے ولندیزیوں کی توپوں کا مقابلہ کرنے کے لئے یکدم نکل کھڑے ہوئے۔ پہلے تو ولندیزی رکے لیکن جب یہ لوگ آگے بڑھتے چلے گئے تو انہوں نے ان پر فائر کیا۔ نتیجہ ظاہر ہے۔ اس جزیرہ کے تمام جانثار ایک ہی دن میں موت کے گھاٹ اتر گئے۔ اس کے باوجود یہاں کے باشندوں نے نہ اپنے رسم و رواج چھوڑے، نہ عادات و اطوار بدلے۔ ۱۹۳۰ء میں باہر کا ایک سیاح یہاں پہنچا تو اس کی حیرت کی انتہا نہیں رہی جب اس نے دیکھا کہ یہ جزیرہ نہایت حسین اور قدرت کی رنگینیوں کا نادرہ کار مجسمہ ہے۔ یہاں کا ہر مرد آرٹسٹ ہے اور ہر عورت رقاصہ۔ ہزاروں سال پہلے کے ڈرامے اسٹیج پر کھیلے جاتے ہیں۔ جنگلوں میں بہت پرانے زمانے کے مندر ہیں جن کے دروازوں پر نیم برہنہ حسین اور نوجوان عورتیں رقصاں و جنباں دکھائی دیتی ہیں۔ جب یہ خبریں باہر کی دنیا میں پہنچی تو تہذیب حاضرہ کے تھکے ہوئے انسانوں کے گروہ کے گروہ اس جزیرہ میں پہنچنے شروع ہو گئے۔ اور رفتہ رفتہ اس قدیم ترین تہذیب میں جدید تمدن کے عناصر کے حامل ادھر ادھر پھرتے دکھائی دینے لگے۔

جب انڈونیشیا نے آزادی حاصل کی تو بالی کا جزیرہ بھی عہد قدیم کی افسانوی دنیا سے نکل کر عصر حاضر کے اسٹیج پر نمودار ہو گیا۔ اس کا نظم و نسق جاوا کے مسلمان حکمرانوں نے اپنے ہاتھ میں لے لیا اور سب سے پہلا حکم یہ نافذ کیا کہ وہاں کی نیم برہنہ عورتیں پورا لباس پہنا کریں۔ وہاں زراعت کے نئے طریقے نافذ کئے گئے۔ تعلیم کا انتظام کیا گیا۔ تاریخ میں پہلی مرتبہ باہر کے مبلغین کو اس ملک کے اندر جانے کی اجازت ملی۔

سماٹرا

میرے نزدیک انڈونیشیا کا سب سے زیادہ تعجب انگیز قطعہ سماٹرا ہے۔ خط استوا اس کے بیچوں بیچ گزرتا ہے۔ یہاں انسان تو کم بستے ہیں لیکن۔ ٹین۔ تیل۔ ربڑ۔ معدنیات کی دولت اس افراط سے بکھری پڑی ہے جس کا اندازہ نہیں لگایا جاسکتا۔ اس میں بڑے بڑے قدیمی جنگلات کھڑے ہیں جو بعض مقامات پر سو سو میل اندر تک چلے گئے ہیں۔ یہ قطعہ ارضی دنیا کی قدیم ترین تہذیب کا نمونہ ہے لیکن یہ چیز بڑی حیرت انگیز ہے کہ انڈونیشیا کا تمام ذہین اور تعلیم یافتہ طبقہ اسی قطعہ زمین کی پیداوار ہے۔ اس کے شہروں میں سو فی صدی لوگ پڑھے لکھے ہیں۔ مثلاً (KOTAGADANG) ایک چھوٹا سا گاؤں ہے۔ سطحی نگاہ سے دیکھئے تو آتش فشاں پہاڑ کے دامن میں نیم جنگلی قسم کی جھونپڑیوں کا مجموعہ، لیکن انڈونیشیا کے بڑے بڑے سیاستدان، مصنف۔ معلم۔ قانون دان۔ علمائے معاشیات اور وہ لوگ جنہوں نے اپنی خطابت سے اقوام متحدہ کے ایوان کو ورطۂ حیرت میں ڈال دیا ہے۔ سب یہیں کی پیداوار ہیں۔ پورے ایشیا بھر میں کوئی دوسرا شہر ایسا نہیں ملے گا جس نے اس قسم کے ابنائے قوم پیدا کئے ہوں۔ اس کا راز کیا ہے۔ اس کے لئے مختلف قسم کی قیاس آرائیاں کی گئی ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ ہے کہ اس گاؤں کے لوگ اپنے مدرسے کو بہت پسند کرتے تھے۔ بعض کا خیال ہے کہ اس کی پہاڑیوں کی ہوا اس قدر صحت افزا اور خوشگوار ہے کہ اس سے ذہن میں جلا پیدا ہو جاتی ہے۔ کچھ لوگوں کا خیال ہے کہ یہ لوگ گوشت زیادہ کھاتے ہیں اس لئے زیادہ ذہین ہیں۔ لیکن ان سب میں ایک قیاس ایسا ہے جو زیادہ قرین صحت نظر آتا ہے۔ اور وہ یہ کہ شروع سے یہاں کا نظم و نسق عورتوں کے ہاتھ میں رہا ہے۔ اور ان عورتوں نے تعلیم پر خاص طور پر زور دیا ہے انہوں نے اپنے بچوں کو بہترین تعلیم دی ہے۔ اور قوم میں موسیقی رقص اور فلسفہ کو رائج کر کے باہمی قبائلی لڑائیوں کا خاتمہ کر دیا ہے۔ سماٹرا کے میدانوں میں کالے رنگ کے دریا ناگن کی طرح رینگتے نظر آتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ جب یہ دریا جنگلوں میں سے گزرتے ہیں تو درختوں کے خضاب آلود پتے ان کا رنگ بدل دیتے ہیں۔ جنگلوں میں بندروں اور قسم قسم کے پرندوں کی بڑی افراط ہے۔ اس قسم کے ہاتھی جنہیں سدھایا نہیں جاسکتا۔ ادھر سے ادھر پھرتے ہیں۔ بڑے بڑے اژدھے اور مگرمچھ ہر طرف پھیلے ہوئے دکھائی دیتے ہیں۔ اور ان سب پر جنگل کا بادشاہ دھاڑتا ہوا شیر۔ یہ شیر دریاؤں کو عبور کر کے بستیوں میں آ نکلتے ہیں اور بچوں کو اٹھا لیجاتے ہیں

مسالوں کے جزیرے

انڈونیشیا کے شمال مشرق میں کچھ پہاڑی مقامات ہیں جنہیں مسالوں کے جزیرے کہتے ہیں۔ اس مقام پر ایسے مسالے پیدا ہوتے ہیں جو دنیا میں کسی اور جگہ نہیں ملتے۔ یہی وہ مسالے تھے جن کی تلاش میں "واسکوڈے گاما" راس امید کے گرد چکر لگاتا ہوا سمندروں میں گھومتا پھرا۔ یہی وہ جزیرے تھے جن کی جستجو میں کولمبس نکلا اور امریکہ جا پہنچا۔ انہی جزیروں کی دولت تھی جس پر قابض رہنے کے لئے ہالینڈ نے اسپین پرتگال اور برطانیہ سے لڑائیاں لڑیں اور انہی جزیروں کی خاطر اس نے ۱۶۲۳ء میں باقی انڈونیشیا کو بھی فتح کر لیا۔

کمیونزم

بعض مبصرین کا خیال ہے کہ انڈونیشیا کے تین سو آتش فشاں پہاڑوں میں اتنا اضطراب نہیں جتنا اضطراب آج اس ملک کی سیاست میں دکھائی دیتا ہے۔ مرکزی حکومت کے خلاف اس وقت وہاں پانچ انقلابی گروہ برسرپیکار نظر آتے ہیں۔ وہاں قیمتیں بہت چڑھی ہوئی ہیں اور حکومت کو سامان کی درآمد میں بڑی دشواریاں پیش آ رہی ہیں۔ کہا جاسکتا ہے کہ ایک نوزائیدہ مملکت کو اس قسم کی دشواریوں کا سامنا کرنا ہی پڑتا ہے۔ لیکن ان میں ایک خطرہ ایسا بھی ہے جو اس مملکت کے وجود کو بھی ختم کر سکتا ہے۔ اسے سمجھنے کے لئے آپ وہاں کے کسی اسکول میں جا نکلئے آپ دیکھیں گے کہ اس کے ہر کمرہ میں "ماؤزے تنگ" کی تصویر ہوگی اور کمیونزم کی سرخ جھنڈیاں کمرہ کے باقی حصہ میں اس قسم کی تصاویر ہوں گی جن میں دکھایا گیا ہوگا کہ امریکہ کس طرح ایشیا کو ہڑپ کر لینے کی فکر میں ہے۔ اس باب میں انڈونیشیا کے رہنے والوں کا جواب یہ ہے کہ یہ تو چینی مدرسے ہیں اس لئے اگر یہ چاہیں تو کیونسٹ رہ سکتے ہیں۔ چنانچہ سورابایا میں ۸ چینی اسکولوں میں سے ۵ کیونسٹ ہیں۔ مکاسر کا نیا اسکول بالکل کمیونسٹ ہے۔ اور ان سب کے اوپر انڈونیشیا کی کمیونسٹ پارٹی۔ میں نے جب وہاں کے ایک باشندے سے ان تمام امور کا تذکرہ کیا تو اس نے کہا کہ ہم کمیونزم اور سرمایہ داری میں غیر جانبدار رہنا چاہتے ہیں۔ میں نے کہا کیا یہ واقعہ نہیں کہ کمیونسٹوں نے دو دفعہ یہ کوشش کی ہے کہ وہ تمہارے ملک کو کشت و خون اور انقلاب کے ذریعہ ہتھیا لیں۔ اس کا جواب یہ تھا کہ کیا یہ واقعہ نہیں کہ ہم نے دونوں مرتبہ انہیں واپس جانے پر مجبور کر دیا۔ اس نے کہا کہ ہم ہر یورپین حکومت سے نفرت کرتے ہیں۔ اور امریکہ کی طرف سے ہمارے دل میں بدگمانی ہے۔ لیکن یورپ سے نفرت سے یہ مراد نہیں کہ ہم کمیونزم کو پسند کرتے ہیں۔ ہم ہر قسم کے بیرونی غلبہ سے آزاد رہنا چاہتے ہیں۔

لیکن اس کے باوجود یہ واقعہ ہے کہ وہاں کمیونزم دن بدن بڑھتا جا رہا ہے کمیونسٹ دیہاتوں میں پھیل رہے ہیں۔ تجارتی ادارے ان کے کنٹرول میں ہیں اور یونیورسٹیوں کے شعبے ایک ایک کر کے ان کے ہاتھ میں چلے جا رہے ہیں۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ ولندیزیوں نے ان پر اس بُرے انداز سے حکومت کی کہ اب وہ یورپ کی ہر قوم کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مجھے وہاں کے ایک صنعت کے ماہر نے بتایا کہ ولندیزیوں نے ہم پر تین سو سال سے زیادہ عرصہ تک حکومت کی۔ جب وہ یہاں سے گئے ہیں تو ہمارے ہاں آٹھ کروڑ کی آبادی میں صرف ستر انجینیر تھے۔ ہماری ۹۰ فی صد آبادی ناخواندہ تھی۔ ہمارے ہاں کل دو سو کے قریب گریجویٹ تھے۔ اگرچہ ہم کاشتکاروں کی قوم ہیں لیکن ہمارے ہاں کوئی شخص زراعت کا ماہر نہیں تھا۔ دنیا میں کوئی قوم ایسی نہیں جس کے پاس اتنا لمبا ساحل ہو جتنا ہمارے ہاں ہے۔ لیکن یہاں ایک بھی جہاز کا کپتان نہیں تھا۔ جب ہم اس کے لئے درخواست کرتے تھے تو ہم سے کہا جاتا تھا کہ تم میں جہازرانی کی صلاحیت ہی نہیں۔ اس تین سو سال کے عرصہ میں ہمارے ہاں کی دولت لوٹ کھسوٹ کر یورپ پہنچائی جاتی رہی۔ کہئے کہ ہم ان تمام مظالم کو کیسے بھلا سکتے ہیں؟ اس کا نتیجہ فی الواقع تاسف انگیز ہے۔ (اس کے بعد مصنف نے یہ بتانے کی کوشش کی ہے کہ ولندیزی درحقیقت اتنے مجرم نہیں تھے)

جکارتا

یہ انڈونیشیا کا دارالسلطنت ہے۔ اگرچہ یہاں کی گرمی بہت ستانے والی ہے لیکن شہر میں نئی توانائی کے مظہر دکھائی دیتے ہیں۔ یعنی یہاں ایشیائے جدید اپنے مقدر کے ستارے کو نئے قالبوں میں ڈھال رہا ہے۔ حکومت کے دفاتر میں ایسے نوجوان نظر آتے ہیں جن میں سے کسی کی عمر تیس سال سے زیادہ نہیں حتیٰ کہ کابینہ کے مدار کی اوسط عمر بھی چھتیس سال سے زائد نہیں۔ ولندیزی اس شہر کو "بٹاویا" (BATAVIA) کہتے تھے جس کے معنی ہیں "گوروں کا قبرستان"۔ یہ اس لئے کہ یہ ایک دلدل کے مقام پر واقع ہے۔ اور یہاں کا بخار کسی کو نہیں چھوڑتا تھا۔ اب اس شہر کی آب و ہوا نسبتاً اچھی ہے۔ لیکن آبادی حد سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ اس سے پہلے اس کی آبادی ساڑھے سات لاکھ تھی۔ اب یہاں قریباً تیس لاکھ نفوس آباد ہیں۔ یہاں مکان کا ملنا ناممکنات میں سے ہے۔ لیکن شہر بہت گندہ ہے۔ یہاں وہاں پانی کی چھوٹی چھوٹی نالیاں دکھائی دیتی ہیں۔ جن کے کنارے لوگ سبزی دھوتے ہیں۔ مسواک کرتے ہیں۔ استنجا کرتے ہیں۔ نہاتے ہیں۔ اور کسی بھینسے کی گلی سڑی لاش کو ایک طرف کر کے وہاں گوشت قیمہ کرتے ہیں جو دو گھنٹے کے بعد کھانے کی میز پر آ جائے گا۔ نتیجہ اس کا یہ ہے کہ چھ سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے پانچ بچوں میں سے صرف دو باقی رہ جاتے ہیں۔

جکارتا میں قریب قریب تمام دکانیں چینیوں کی ہیں، جو تجارت بھی کرتے ہیں اور ساہوکارہ بھی۔ جب انڈونیشیا والوں سے

کہا جاتا ہے کہ تم ان چینیوں کو باہر کیوں نہیں نکالتے جو کمیونزم پھیلاتے ہیں تو ان کا جواب یہ ہوتا ہے کہ اگر یہ چلے گئے تو یہاں کا کاروبار کون چلائے گا۔ اور جب ان سے کہا جائے کہ خود انڈونیشیا والے کیوں نہیں چلائیں گے تو وہ جواب دیں گے کہ دوکان پر بیٹھنا کون پسند کرتا ہے؟

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

اُمید کی کرن

لیکن ان تمام کمزوریوں کے باوجود انڈونیشیا ایک جوان اور توانا قوم ہے۔ مجھے یقین ہے کہ اس کا مستقبل محفوظ ہے" اور کمیونزم بھی اسے کوئی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔

میرے اس یقین کی وجوہات حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہاں کوئی شخص بھوکا نہیں رہتا۔

(۲) یہاں طبقات کا امتیاز بہت کم ہے۔ بہت کم ایسے لوگ ہیں جن کے پاس دولت بڑی افراط سے ہے۔

(۳) اگر یہاں اقتصادیات کا اچھا انتظام کر لیا جائے تو اس کی تجارتی میزان ہمیشہ اعتدال پر رہ سکتی ہے۔

(۴) چونکہ انڈونیشیا والے دستکار ہیں اور ان کی روایات کے مطابق دستکاری اور جفاکشی کو برا نہیں سمجھا جاتا، اس لئے یہاں صنعت پیشہ لوگوں کا معاشرہ آسانی سے قائم ہو سکے گا۔

(۵) اس قوم میں بڑی قوت برداشت ہے۔ اگرچہ آبادی کی اکثریت مسلمانوں کی ہے۔ لیکن وہاں کی ہندو۔ عیسائی۔ اور بدھ اقلیتیں بڑے اطمینان سے رہتی ہیں۔

(۶) اس قوم نے یہ تہیہ کر لیا ہے کہ ہم جہالت کو دور کر دیں گے۔

(۷) وہاں کا پریس آزاد ہے۔

اور سب سے آخر یہ کہ ان لوگوں نے یہ عزم راسخ کر رکھا ہے کہ وہ اپنی قوم کو مستحکم بنائیں گے۔ وہ ڈکٹیٹرشپ کے سخت خلاف ہیں، اس لئے کہ انہوں نے اپنی آزادی میدان جنگ میں حاصل کی، اور وہ اسے کسی قیمت پر کھونا نہیں چاہتے۔

٭ ٭ ٭ ٭ ٭ ٭

خطرے کے نشانات

لیکن اس کی دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ اس ملک میں بعض خطرے کے نشانات بھی ہیں۔ اور اگر ان کی طرف جلد توجہ نہ دی گئی تو یہ شاید اس قوم کے لئے ہلاکت ثابت ہوں۔ یہ خطرات حسب ذیل ہیں۔

(۱) یہاں کے باشندے اس کا اعتراف کریں گے کہ ہمارے ہاں تین بڑی بڑی وبائیں ہیں۔ رشوت ستانی اور بددیانتی بگڑی اور اقربا پروری۔

(۲) درآمد کے لائسنسوں کا بہت برا استعمال ہوتا ہے۔ میں نے دیکھا کہ انڈونیشیا کا ایک تاجر سوئٹزرلینڈ کی کسی فرم سے چار ہزار پونڈ کا لوہے کا ضروری سامان خریدنا چاہتا تھا۔ لائسنس دینا ایک سیاسی لیڈر کے اختیار میں تھا۔ اس نے کہا کہ میں اس سودے میں ایک سو پچاس فی صدی منافع کی توقع رکھتا ہوں۔ سوئٹزرلینڈ کی فرم نے کہا کہ ہمارے لئے یہ ناممکن ہے کہ ہم اس مال کی قیمت دس ہزار پونڈ لیں۔ نتیجہ اس کا یہ تھا کہ انڈونیشیا کا نہایت قیمتی اسٹیل لوہے کے سامان پر صرف نہ ہوا بلکہ کیمرے۔ چاکلیٹ۔ تیل۔ صابون میں ضائع کر دیا گیا۔ اس لئے کہ اس مال پر منافع بہت زیادہ مل سکتا تھا۔

(۳) چونکہ انڈونیشیا والے اہل یورپ اور امریکہ کی طرف سے بدظن ہیں اس لئے اگر یہ لوگ وہاں اپنا سرمایہ لگانا چاہیں تو اسے وہ خوش آیند نہیں سمجھتے۔ دوسرے ممالک نے بیرونی سرمایہ کو خوش آیند کہا ہے اور اس کے باوجود ان کی سیاسی آزادی پہ کوئی اثر نہیں پڑا۔ انڈونیشیا کو ان سے سبق سیکھنا چاہیئے۔

(۴) وہاں کے مزدوروں کی حالت یہ ہے کہ کام کم کرتے ہیں اور معاوضہ زیادہ مانگتے ہیں۔ چنانچہ اب وہاں مطالبہ یہ ہے کہ ہم بارہ مہینے کام کریں گے اور پندرہ مہینے کی تنخواہ لیں گے۔

(۵) اور سب سے بڑی بات یہ کہ اس قوم میں انتشار نہیں پیدا ہونا چاہیئے۔ یہاں کی جغرافیائی حالت کو دیکھتے ہوئے کہا جاتا ہے کہ یہاں فیڈرل انداز حکومت سب سے زیادہ موزوں رہے گا۔ لیکن ولندیزیوں نے یہاں فیڈرل انداز کی ایسی مٹی پلید کی کہ اب یہ لوگ اسے اپنے حق میں سم قاتل سمجھتے ہیں۔

بہرحال انڈونیشیا کو قائم اور آباد رہنا چاہیئے۔ یہ بڑا ہی حسین ملک ہے۔ یہاں کا آتش فشاں پہاڑ زر خیز راکھ برساتا ہے یہاں کا سمندر دولت سے لبریز ہے۔ یہاں کے دھان کے کھیت بڑی فصل دیتے ہیں۔ مجھے یہ بات کبھی نہیں بھولے گی کہ ایک دن جب میں ایک انڈونیشیا کے سیاسی لیڈر سے بورنیو کے متعلق باتیں کر رہا تھا کہ اس کی آبادی کتنی کم ہے تو اس نے ٹھنڈا سانس بھر کر کہا کہ وہ ملک بڑا امیر ہے۔ اس کے پاس جواہرات۔ سونا۔ کوئلہ لوہا۔ اور تیل کے سوا رکھا ہی کیا ہے۔

اس قسم کا خوشحال ملک چند غلطیوں کا متحمل بھی ہو سکتا ہے بشرطیکہ ان پر اصرار نہ کیا جائے۔

ماہنامہ طلوع اسلام کے
پرانے پرچے

ماہنامہ طلوع اسلام کے جو پرچے دفتر میں موجود ہیں ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

۱۹۴۹ء	اگست۔ ستمبر۔ نومبر۔ دسمبر
۱۹۵۱ء	جون، ستمبر، اکتوبر، نومبر
۱۹۵۲ء	اگست تا نومبر
۱۹۵۳ء	جنوری و اکتوبر کے علاوہ سب
۱۹۵۴ء	پورے سال کے

یہ پرچے بزم ہائے طلوع اسلام کو چوتھائی قیمت پر اور دیگر اصحاب کو آدھی قیمت پر دیئے جائیں گے۔
خواہشمند حضرات اپنی فرمائشیں جلد بھیجیں۔ ورنہ ختم ہو جانے کا احتمال ہے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ کراچی

کیا آپ اسے کھا سکتے ہیں؟

اگر نہیں تو یقیناً آپ کے دانت کمزور ہیں اور آپ دانتوں کی صفائی کا خیال نہیں رکھتے اس لئے ضروری ہے کہ آپ ہر روز اپنے دانت اچھی طرح صاف کریں

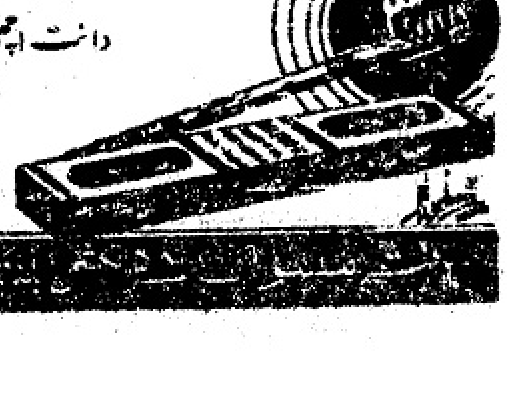

مسواک ٹوتھ برش
برسوں سے آپکی خدمت کر رہے ہیں

درسِ بخاری

(۲)

طلوع اسلام مورخہ ۵ر نومبر ۱۹۵۵ء کے تسلسل میں صحیح بخاری کی منتخب احادیث بلا تنقید وتبصرہ پیش کی جارہی ہیں۔ احادیث کا ترجمہ مرزا حیرت صاحب دہلوی کا کیا ہوا ہے جو نور محمد کارخانہ تجارت کتب آرام باغ کراچی سے شائع ہوا ہے۔ حوالہ کے لئے حدیث سے پہلے صفحہ اور حدیث کا نمبر دے دیا گیا ہے اوپر صفحہ نمبر ہے اور نیچے حدیث نمبر ہے۔ ذیل کی احادیث جلد دوم سے لی گئی ہیں۔

(۹/۱) حضرت ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ کے ننانوے نام ہیں۔ یعنی ایک کم سو جو شخص ان کو یاد کرے۔ وہ جنت میں داخل ہوگا۔

(۲۳/۵۳) حضرت ابوسعید خدری کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) عرض کیا گیا کہ یا رسول اللہ سب لوگوں میں افضل کون ہے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ وہ مومن جو اپنی جان سے اور اپنے مال سے خدا کی راہ میں جہاد کرتا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا اس کے بعد کون۔ آپ نے فرمایا وہ مومن جو پہاڑ کے کسی درے میں رہتا ہو اور (وہیں) خدا کی عبادت کرتا ہو۔ اور لوگوں کو اپنے ضرر سے محفوظ رکھتا ہو۔

(۲۸/۵۷) حضرت خارجہ بن زید سے روایت ہے کہ حضرت زید ابن ثابت کہتے ہیں کہ جب قرآن مجید متفرق پرچوں سے (نقل کرکے) مصحف میں لکھا گیا تو ایک آیت احزاب کی مجھے نہ ملی۔ میں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کو اسے پڑھتے ہوئے سنتا تھا پس میں نے اسے نہ پایا۔ مگر خزیمہ انصاری کے پاس جن کی شہادت کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے دو مردوں کی شہادت کے برابر قرار دیا تھا وہ آیت یہ تھی مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ رِجَالٌ صَدَقُوْا مَا عَاهَدُوا اللّٰهَ عَلَيْهِ۔

(۲۹/۵۸) حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ان لوگوں کے لئے جنھوں نے اصحاب بیر معونہ کو قتل کیا تھا تیس دن بددعا کی تھی۔ یعنی قبیلہ رعل اور ذکوان اور عصیہ کے لئے جنھوں نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی تھی حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ جو مسلمان بیر معونہ میں قتل کئے گئے تھے۔ ان کے بارے میں قرآن کی آیت نازل ہوئی تھی جس کو ہم نے پڑھا بھی۔ بعد میں پھر اس کے منسوخ ہوگئی (وہ آیت تھی) بلغوا قومنان قد لقینا ربنا فرضی عنا ورضیا عنہ۔

(۳۰/۶۱) لیث کا قول ہے کہ مجھ سے جعفر بن ربیعہ نے عبدالرحمٰن بن ہرمز سے نقل کیا کہ وہ کہتے تھے کہ میں نے حضرت ابوہریرہ کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت کرتے ہوئے سنا ہے کہ آپ نے فرمایا کہ سلیمان بن داؤد (پیغمبر علیہما السلام) نے (ایک روز) کہا کہ آج شب کو میں سو عورتوں کے پاس یا ننانوے عورتوں کے پاس جاؤں گا۔ وہ سب عورتیں، ایک ایک شہسوار پیدا کریں گی۔ جو خدا کی راہ میں جہاد کرے گا تو ان سے ان کے ایک ہمنشین نے کہا کہ انشاء اللہ کہو۔ مگر انھوں نے انشاء اللہ نہیں کہا۔ پس ان میں سے صرف ایک عورت حاملہ ہوئی سو وہ بھی آدھا بچہ جنی۔ قسم ہے اس کی جس کے ہاتھ میں محمد کی جان ہے۔ اگر وہ انشاء اللہ کہہ لیتے تو سب عورتوں کے بچے پیدا ہوتے اور بے شک وہ سب سوار ہوکر اللہ کی راہ میں جہاد کرتے۔

(۳۴/۹۱) حضرت ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ وسلم نے فرمایا کہ شہداء پانچ قسم کے ہوتے ہیں۔ وہ شخص جو طاعون کے مرض میں مرجائے۔ اور وہ شخص جو پیٹ کے مرض میں مرجائے اور دب کے مرجائے۔ اور خدا کی راہ میں شہید ہوجائے۔

(۳۶/۱۰۹) حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانی میں قیامت تک کے لئے خیر وابستہ ہے۔

(۳۷/۱۱۰) عروہ بن جعد نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں خیر قیامت تک کے لئے وابستہ ہے۔

(۳۷/۱۱۱) حضرت انس بن مالک کہتے ہیں کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ گھوڑوں کی پیشانیوں میں برکت رکھی ہوئی ہے۔

(۳۸/۱۱۸) حضرت عبداللہ بن عمر کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ نحوست صرف تین چیزوں میں ہے گھوڑے میں، اور عورت میں اور گھر میں۔

(۳۸/۱۱۹) حضرت سہل بن سعد ساعدی سے روایت ہے کہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اگر نحوست کسی چیز میں ہو تو عورت میں اور گھوڑے میں اور مکان میں ہوگی۔

(۸۵/۲۰۶) حضرت علی کہتے ہیں کہ جب جنگ احزاب کا دن آیا تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اللہ ان (کافروں) کے گھروں کو اور ان کی قبروں کو آگ سے بھردے انھوں نے ہمیں درمیانی نماز (یعنی نماز عصر) پڑھنے سے روکا۔ یہاں تک کہ آفتاب غروب ہوگیا۔

(۸۵/۲۰۷) حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم قنوت میں یہ دعا مانگا کرتے تھے کہ اے اللہ سلمہ بن ہشام کو (کفار کے ظلم سے) نجات دے۔ اے اللہ ولید بن ولید کو نجات دے اے اللہ عیاش بن ابی ربیعہ کو نجات دے اے اللہ کمزور مسلمانوں کو نجات دے اے اللہ اپنی پامالی (قبیلہ) مضر (کے کافروں) پر سخت کردے اے اللہ قحط سالیاں ڈال دے۔ جس طرح یوسف (کی عہد) کی قحط سالیاں (تھیں)۔

(۲۴/۲۶۴) حضرت ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ہمیں رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک لشکر کے ساتھ بھیجا۔ اور فرمایا کہ اگر فلاں اور فلاں شخص کو پانا تو اسے آگ میں جلا دینا۔ بعد اس کے جب ہم جانے لگے تو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ میں نے تمہیں حکم دیا تھا کہ (فلاں اور فلاں شخص کو آگ میں جلا دینا۔ مگر آگ سے تو خدا ہی عذاب کرتا ہے۔ لہذا اگر تم انھیں پانا تو قتل کردینا۔

(۲۴/۲۶۵) عکرمہؓ سے روایت ہے کہ حضرت علی نے کچھ لوگوں کو آگ میں جلا دیا تھا۔ حضرت ابن عباس کو یہ خبر پہنچی تو انھوں نے کہا کہ اگر میں (ان کی جگہ پر) ہوتا تو ہرگز انھیں نہ جلاتا اس لئے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ خدا کے عذاب سے (کسی کو) عذاب نہ کرو اور بے شک میں انھیں قتل کردیتا جیسا کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ جو شخص اپنا دین بدل دے اسے قتل کردو۔

مقام حدیث
دو جلدوں میں
قیمت فی جلد چار روپے

سالمارین
دردوں کیلئے اکسیر ہے
گٹھیا، رینگن، درد کمر، ریاحی درد، درد شقیقہ
سر درد اور زہریلے جانوروں کے کاٹے کیلئے اکسیر ہے
انتہائی درد کی بےچینی کو دور کرکے سکون پہنچاتی ہے
اس کا مسلسل استعمال دائمی آرام کا ضامن ہے
ہوائی جہاز — ریل — اور بحری جہاز
میں سفر کرنیوالوں کیلئے
سالمارین
بہترین وقتی مددگار ہے
قیمت فی شیشی دو روپے علاوہ محصولڈاک
اپنے شہر کے ہر اچھے دوا فروش سے خریدیں
یا
سالمالیبارٹیریز (پاکستان)
۲۷۔ زینت مینشن۔ میکلوڈ روڈ۔ کراچی

حقائق و عبر

شدھی کی نئی منطق

۲۴ر اکتوبر ۱۹۵۵ء کے اخبار "الجمعیۃ" (دہلی) نے "شدھی کی نئی منطق" کے عنوان سے حسب ذیل شذرہ شائع کیا ہے۔

معاصر قومی آواز لکھنؤ کی اطلاع ہے کہ لکھنؤ میں پانچ نومبر سے سات نومبر تک شدھی مہایگیہ ہوگا جس کے لئے انتظامات شروع کر دیئے گئے ہیں اس سلسلہ میں لکھنؤ میں ایک جلسہ عام بھی ہوا ہے جس میں یوپی ہندو مہاسبھا کے جنرل سکریٹری شری وشوا ناتھ اگروال نے کہا کہ "شدھی کا مقصد یہ ہے کہ ہر فرد پر یہ بات واضح ہو جائے کہ تبدیل مذہب سے پہلے وہ کس مذہب سے تعلق رکھتا تھا۔ ایک فرد جو ہندو گھرانے میں پیدا ہوتا ہے۔ وہ کسی دوسرے مذہب میں نہیں جا سکتا۔ جو مسلمان اور عیسائی یہ سمجھتے ہیں کہ وہ تبدیل مذہب کر چکے اس لئے اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اپنی کم علمی کا ثبوت دیتے ہیں۔ یہ لوگ مکمل طور پر ہندو ہیں۔ اس لئے ضرورت ہے کہ شدھی کی تحریک کو چلا کر اس غلط فہمی کو دور کیا جائے؛ مطلب یہ ہے کہ جو عیسائی اور مسلمان ہندوؤں سے گئے ہیں۔ وہ عیسائی اور مسلمان ہوتے ہوئے بھی مکمل طور پر ہندو ہیں۔ اور جب وہ ہندو ہیں تو انھیں ہندو بنانے کے لئے شدھی کی تحریک چلانی چاہیئے! ہماری حکومت اور اس کے ساتھ ساری دنیا کو سن لینا چاہیئے کہ فرقہ پرستوں کے ارادے کیا ہیں؟"

یوپی ہندو مہاسبھا کے جنرل سکریٹری نے جو کچھ کہا ہے اس کا ماحصل یہ ہے کہ ایک ہندو کبھی اپنا مذہب تبدیل نہیں کر سکتا۔ اور اگر وہ مذہب تبدیل کرتا ہے تو اپنے آپ کو دھوکہ دیتا ہے۔ وہ ہندو کا ہندو ہی رہتا ہے۔ یہ ہے وہ نظریہ جسے الجمعیۃ نے قابل اعتراض قرار دیا ہے۔ اس سے ایک ایسا اہم سوال پیدا ہوتا ہے۔ جو ہمارے نزدیک غور و فکر کا محتاج ہے۔ ہمیں یہ بتایا جاتا ہے (اور مودودی صاحب نے تو اس مسئلہ پر ایک پمفلٹ شائع کیا تھا) کہ کسی مسلمان کو تبدیل مذہب کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔ اور اگر وہ اپنا مذہب تبدیل کرے تو وہ واجب القتل ہے۔ ہم نے اس کے جواب میں بصراحت لکھا تھا کہ یہ تصور قرآن کریم کی کھلی ہوئی تعلیم کے خلاف ہے۔ اور اس کے بعد یہ کہا تھا کہ اگر غیر مذاہب والے بھی یہی روش اختیار کر لیں۔ تو اس سے اسلام کی تبلیغ ہی ختم ہو جائے گی۔

ہم مودودی صاحب سے پوچھنا چاہتے ہیں کہ اگر اسلام کا حکم وہ ہے جو انھوں نے بیان کیا ہے (کہ کوئی مسلمان اپنا مذہب تبدیل نہیں کر سکتا)، تو ہندوستان میں جو نظریہ ہندو پیش کر رہے ہیں۔ ان کے پاس اس کا کیا جواب ہے؟ یہ سوال اس لئے بھی اہم ہو جاتا ہے کہ جو کچھ آج ہندوستان کا ہندو کہہ رہا ہے۔ وہی کچھ کل کو پاکستان کا ہندو بھی کہے گا (کہ جس طرح آپ مسلمان کے متعلق یہ کہتے ہیں کہ وہ مذہب تبدیل نہیں کر سکتا۔ اسی طرح ہم ہندو کے متعلق بھی کہتے ہیں) تو فرمایئے کہ اس وقت آپ کے پاس اس کا کیا جواب ہوگا؟

یاد رکھئے! اس دین کی رو سے جو خدا کی طرف سے رسول اللہؐ کو ملا تھا۔ مذہب و دین کے معاملہ میں جبر و اکراہ کی قطعاً اجازت نہیں۔ ہر شخص کو اس کی آزادی حاصل ہے کہ وہ اپنی دانست میں جس مذہب کو صحیح سمجھے اسے بطیب خاطر قبول کرے۔ اس اصول کا مسلم اور غیر مسلم سب پر یکساں طور پر اطلاق ہوتا ہے۔

الہامی خواب

ہمارے ہاں قادیانی فرقہ بھی خیر سے بڑا دلچسپ واقع ہوا ہے۔ اور آپ مانیں یا نہ مانیں ہم تو یہ کہے بغیر نہیں رہ سکتے کہ ان کا وجود حاضر کے انسان پر بڑا احسان ہے۔ آج جب کہ حالت یہ ہو چکی ہے کہ انسان مختلف قسم کی مشکلات اور مصائب سے گھبرایا رہتا ہے۔ ان کا لٹریچر اس تھکے ماندے انسان کے لئے بڑی عمدہ تفریح کا سامان پیدا کرتا ہے۔ چنانچہ حال ہی میں ان کے امام مرزا بشیرالدین محمود صاحب یورپ کی سیاحت کے بعد واپس تشریف لائے ہیں تو انھوں نے اپنے خطبہ جمعہ میں فرمایا۔

"میں نے زیورچ میں ایک خواب دیکھا کہ میں ایک پارک کے سامنے کھڑا ہوں۔ آسمان سے ایک نور اترا اور وہ سب سے پہلے میرے لڑکے ناصر احمد کے وجود میں گھس گیا۔ اس کے بعد میرے لڑکے مرزا مبارک کے وجود میں داخل ہو گیا۔ میں نے کہا کہ کاش عزیزم سر ظفر اللہ میرے لڑکے مبارک کا ہاتھ پکڑ لیتے۔ تو وہ بھی اس نور سے مستفید ہوتے۔ چنانچہ میں کیا دیکھتا ہوں کہ عزیزم سر ظفر اللہ نے مرزا مبارک کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور یہ خداوندی نور ان کے وجود میں بھی داخل ہو گیا۔ اور میں نے خدا کا شکر ادا کیا کہ اس نے تینوں کو مستفید فرمایا۔"

ارباب بصیرت سے یہ حقیقت پوشیدہ نہیں ہوگی کہ یہ خواب دراصل آئندہ خلافت کی بنیادوں کو استوار کرنے اور اس مسند کو اپنے ہی گھرانے میں محدود رکھنے کی غماز ہے۔ لیکن اس کا دلچسپ حصہ وہ ہے جو اس کے بعد آتا ہے۔ اور جس میں مرزا صاحب فرماتے ہیں کہ

"میرے ساتھ اللہ تعالیٰ کی یہ سنت دیرینہ ہے کہ میں جو کچھ سوچتا ہوں۔ وہ خواب بنا کر مجھے دکھا دیا جاتا ہے۔"

(بحوالہ المنیر مورخہ ۱۱ ۱۰)

حضرت مرزا صاحب کو غالباً اس کا علم نہیں کہ خوابوں کے متعلق "اللہ تعالیٰ کی یہ سنت دیرینہ" ان ہی کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ جانوروں تک کو بھی اپنے دامن میں لئے ہوئے ہے۔ چنانچہ پنجابی کا یہ محاورہ مرزا صاحب نے ضرور سنا ہوگا کہ "بلی کو چھیچھڑوں کے خواب نظر آتے ہیں"؛ یعنی جو کچھ وہ سوچتی رہتی ہے۔ وہی کچھ خواب بن کر سامنے آ جاتا ہے۔ حضرت مرزا صاحب کے معتقدین تو اس پر بھی مجبور ہیں کہ اللہ تعالیٰ حضرت صاحب کو الہامات کے ذریعہ آنے والی باتوں کا خواب دکھا دیتا ہے۔ لیکن خوابوں کے متعلق علم تجزیہ نفس کے ماہرین کی تحقیقات جن لوگوں کے سامنے ہیں وہ جانتے ہیں کہ انسان کی وہ آرزوئیں جو اس کے دل میں مچلتی ہیں، اور پھر حسرت بن کر اس کے تحت الشعور میں جا چھپتی ہیں وہی پھر خواب بن کر اس کے قلب مضطرب کے لئے وجہ فریب بنتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ آج کل مرزا صاحب کے دل پر اپنی جانشینی کا مسئلہ اس درجہ حاوی ہے۔ اور سر ظفر اللہ خاں صاحب

تحفہ دینا
اچھی بات ہے
بی پی
کی مٹھائیاں
تحفے میں
دیجئے

کا کانٹا ایسا پہلو خراش واقع ہوا ہے کہ وہ ہر وقت اسی خیال میں ڈوبے رہتے ہیں۔ اور یہی خیالات خواب بن کر ان کے سامنے آتے ہیں۔ اسی کا نام ان کی لاہوتی زبان میں "اللہ تعالیٰ کی سنت دیرینہ" ہے۔ جسے وہ اپنے ساتھ مخصوص سمجھتے ہیں۔ خود فریبی یا ابلہ فریبی کی! اس سے نمایاں مثال اور کیا ہو سکتی ہے۔؟

خودساختہ زنجیریں

اس خارجی کائنات پر غور کیجئے۔ مختلف چیزیں مختلف پابندیوں کے ماتحت سرگرم عمل نظر آئیں گی۔ لیکن یہ پابندیاں ان کی اپنی عاید کردہ نہیں۔ بلکہ فطرت کی طرف سے ان کے اندر ودیعت کردہ ہیں۔ بکری گھاس کھاتی ہے۔ شیر گوشت کھاتا ہے۔ پانی نشیب کی طرف بہتا ہے۔ پتھر نیچے کی طرف گرتا ہے۔ غبارہ اوپر کی طرف اڑتا ہے۔ یہ سب پابندیاں ان پر خارج سے عاید شدہ ہیں۔ لیکن انسان کی دنیا عجیب ہے۔ اس پر کچھ پابندیاں تو دیگر حیوانات کی طرح از خود عاید ہیں۔ مثلاً پیاس کے لئے پانی پینا، بھوک کے لئے کھانا کھانا۔ لیکن ان سے کہیں زیادہ سخت اور متشدد زنجیریں وہ ہیں جن میں اس نے اپنے آپ کو خود جکڑ رکھا ہے۔ رسم و رواج کی زنجیریں۔ غلط معتقدات کی زنجیریں۔ ان زنجیروں کی شدت کا ایک بار مظاہرہ قریباً بیس سال پہلے ہوا تھا جب انگلستان جیسی مملکت عظمیٰ کا شاہنشاہ ایڈورڈ ہشتم اپنی مرضی کے مطابق شادی کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اس مملکت کے خود عاید کردہ قواعد اس کی اجازت نہیں دیتے تھے۔ اس پر ملک میں بڑا ہنگامہ برپا ہوا اور اس شاہنشاہ بے بس و مجبور کو تاج و تخت سے دستبردار ہونا پڑا۔ دنیا اس پر حیران تھی کہ انسان ابھی کس بچپن کے زمانے سے گزر رہا ہے۔ اب اسی منظر کا اعادہ اس شاہنشاہ کی بھتیجی شہزادی مارگریٹ کی شادی کے سلسلہ میں ہوا ہے۔ شہزادی ایک نوجوان سے اپنی مرضی کے مطابق شادی کرنا چاہتی تھی لیکن مملکت کے آداب اور کلیسا کے احکام اس کے خلاف تھے۔ عیسائیت کی رو سے شادی ایک معاہدہ نہیں جسے خاص حالات کے ماتحت باہمی رضامندی سے توڑا جا سکے۔ یہ ایک مقدس نوشتہ ہے جسے لکھا تو انسان کی مرضی کے مطابق جاتا ہے لیکن وہ اسے مٹانے پر قادر نہیں ہوتا۔ اور چونکہ یہ نوجوان طلاق یافتہ تھا اس لئے کلیسا اس شادی کی اجازت نہیں دیتا تھا۔ شہزادی مارگریٹ ان پابندیوں کو بالائے طاق رکھ کر سول میرج کر سکتی تھی لیکن اس صورت میں اسے شاہی مراعات سے دستبردار ہونا پڑتا تھا چنانچہ یہ کشمکش مہینوں تک جاری رہی اور بالآخر محبت اور آزادی کو، رسوم و قواعد کے حضور جھکنا پڑا اور شہزادی یہ کہنے پر مجبور ہو گئی کہ میں اس نوجوان کے ساتھ شادی نہیں کروں گی۔ شاہنشاہ ایڈورڈ ہشتم نے ہمت سے کام لیا لیکن شہزادی مارگریٹ کے پاؤں لڑکھڑا گئے۔

عشق نبرد پیشہ طلبگار مرد تھا

ہمارا دور بالکل مشینی دور ہو چکا ہے جس میں رومان بھی میکانیکل طریقے پر وجود کوش ہوتا ہے۔ اگر یہ دونوں واقعات کسی سابقہ دور میں پیش آتے تو نہ معلوم رومانی شاعر انہیں کیا سے کیا بنا کر پیش کرتے۔ لیکن اب یہ خبریں اخباروں کے فائل کے انبار میں دب کر رہ جائیں گی۔

نقد و نظر

ذیل کی تین کتابیں ہمیں انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) کی طرف سے بغرض تبصرہ موصول ہوئی ہیں۔ ان کتابوں کو دیکھ کر ہمیں خوشی ہوئی کہ اردو زبان کی اس قدر شدید مخالفت کے باوجود ہندوستان میں انجمن ترقی اردو اچھی اچھی کتابیں دوسری زبانوں سے اردو میں منتقل کر رہی ہے۔ اور اچھے پایہ کی ادبی کتابیں شائع کر رہی ہے۔

کاروان معیشت

ان میں پہلی کتاب کا نام ہے "کاروان معیشت"۔ معاشیات جہاں ایک طرف نہایت اہم موضوع ہے۔ وہاں دوسری طرف بڑا خشک بھی ہے۔ اردو زبان میں اس موضوع پر بہت کم لٹریچر ہے گا۔ لیکن انگریزی زبان میں اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے۔ اور لکھا جا رہا ہے۔ لیکن جو کچھ لکھا گیا ہے وہ بیشتر فنی اور اصطلاحی ہونے کی وجہ سے خشک واقع ہوا ہے۔ اور اس سے اس فن کے خصوصی طالب علم ہی مستفید ہو سکتے ہیں۔ لیکن انگریزی کی انہی کتابوں میں ایک کتاب "لیو ہیوبرمین" کی ہے۔ جس نے اس خاردار موضوع پر ایسے دلچسپ اور ہلکے پھلکے انداز میں لکھا ہے کہ کتاب میں ایک ناول کی سی کشش اور روانی پیدا ہو گئی ہے۔ اس کتاب میں قوموں کی دولت اور وسائل پیداوار سے بحث کی گئی ہے۔ اس کا اردو ترجمہ نجم الدین صاحب شکیب ایم۔ اے نے کیا ہے جسے انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) نے اچھے اہتمام سے شائع کیا ہے۔ جو لوگ معاشیات سے دلچسپی رکھتے ہیں۔ لیکن اصل کتاب انگریزی زبان میں نہیں پڑھ سکتے۔ انہیں اس کتاب کا مطالعہ ضرور کرنا چاہیئے۔

(باقی صفحہ ۱۸ پر)

قرآنی انقلاب کا لٹریچر

معراج انسانیت (زیر طبع) سیرت صاحب قرآن علیہ التحیۃ والسلام کو قرآن کے آئینہ میں دیکھنے کی پہلی اور کامیاب کوشش۔ مذاہب عالم کی تاریخ اور تہذیبی پس منظر کے ساتھ ساتھ حضور سرورِ کائنات کی سیرت اور دین کے متنوع گوشے نکھر کر سامنے آ گئے ہیں۔ بڑے سائز کے قریباً ۸۰۰ صفحات۔ اعلیٰ ولایتی گلیزڈ کاغذ۔ مضبوط جلد بمعہ گرد پوش۔ قیمت [illegible]

ابلیس و آدم (زیر طبع) سلسلہ معارف القرآن کی دوسری جلد جسے نظر ثانی کے بعد شائع کیا گیا ہے۔ انسانی تخلیق۔ قصۂ آدم و جنات و ملائکہ۔ وحی وغیرہ جیسے اہم مباحث کی حامل۔ بڑی تقطیع کے ۴۰۰ صفحات ۔۔۔۔۔ قیمت آٹھ روپے

قرآنی دستور پاکستان اس میں پاکستان کے لئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعتوں کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔ دو سو چوبیس صفحات ۔۔۔۔۔ قیمت دو روپے آٹھ آنے

اسلامی نظام اسلامی مملکت کے بنیادی اصول کیا ہیں؟ اور اسلامی نظام کیسے قائم ہو سکتا ہے؟ اس کا جواب پرویز اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھول دی ہیں۔ ۱۰۰ صفحات ۔۔۔۔۔ قیمت دو روپے

سلیم کے نام (زیر طبع) نوجوانوں کے دل میں اسلام سے متعلق جو شکوک پیدا ہوتے ہیں ان کا شگفتہ، مدلل اور اچھوتا جواب۔ بڑے سائز کے ۴۰۰ صفحات ۔۔۔۔۔ قیمت چھ روپے

قرآنی فیصلے روزمرہ کی زندگی کے ساتھ اہم مسائل و معاملات پر قرآن کی روشنی میں بحث ۴۰۰ صفحات ۔۔۔۔۔ قیمت چار روپے

اسباب زوال امت (زیر طبع) مسلمانوں کی ہزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہماری مرض کیا ہے اور علاج کیا؟ ایک سو اڑتالیس صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے

جشن نامے ایسے عنوانات دیا ہیں پڑھ کر ہونٹوں پر مسکراہٹ بھی ہو اور آنکھوں میں آنسو۔ طنز اور تنقید کے گہرے نشتر سات سالہ دور آزادی کی سمٹی ہوئی تاریخ ۲۰۰ صفحات قیمت دو روپے آٹھ آنے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ:- ناظم ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۔ کراچی

بین الاقوامی جائزہ

مذاکرات جنیوا کسی نتیجہ تک نہیں پہونچ سکے مگر ان کا سلسلہ جاری ہے۔ اور غالباً موجودہ دور مذاکرات ختم ہو جانے پر اسے کسی نہ کسی رنگ میں جاری رکھا جائے گا۔ چاروں ممالک کے وزرائے خارجہ نے پہلے جرمن وحدت کا مسئلہ لیا۔ اس سے اگلا اور اس سے متعلق یورپی تحفظ کا سوال تھا۔ لیکن جرمن وحدت پر کچھ تصفیہ نہ ہو سکا۔ اس سے یورپی تحفظ کا مسئلہ بھی کھٹائی میں پڑ گیا۔ چنانچہ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ ان مسائل پر اتفاق رائے مشکل ہے، تحدید اسلحہ اور دیگر مسائل کی طرف توجہ دی گئی۔ تحدید اسلحہ کے بارے میں کچھ تصفیہ نہیں ہو سکا اور نوبت تعطل تک پہنچ گئی۔ لیکن تعطل ایسا نہیں جس سے سلسلہ مذاکرات مسدود ہو جائے۔ فریقین نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ تحدید اسلحہ پر بدستور اقوام متحدہ کی وساطت سے غور و خوض جاری رہے۔ واضح رہے کہ موجودہ جنیوا کانفرنس سے پیشتر اقوام متحدہ کی ایک ذیلی کمیٹی اس مسئلہ پر غور کر رہی تھی۔ اب معاملہ پھر اس کے سپرد ہو جائے گا۔ جنیوا کانفرنس نے البتہ بعض حدود متعین کر دی ہیں۔ یعنی (۱) ایٹمی جنگ ہی نہیں بلکہ ہر قسم کی جارحانہ جنگ ممنوع قرار دی جائے (۲) ایٹمی اور غیر ایٹمی دونوں قسم کے اسلحہ کم کئے جائیں (۳) تمام ایٹمی ممالک ایسی سائنسی تحقیق میں مصروف رہیں جن سے ایٹمی اسلحہ پر بین الاقوامی نگرانی ممکن العمل ہو سکے (۴) اقوام متحدہ کی پنج ارکانی کمیٹی فی الحال اس مسئلہ پر غور و خوض کرے اور بعد ازیں چاروں ممالک کے وزرائے خارجہ کی پھر کانفرنس منعقد کی جائے مزید مذاکرات میں ان تجاویز کو پیش نظر رکھا جائے گا، جو جنیوا کانفرنس کے دوران میں زیر بحث آئیں۔ اور کسی ایک یا دوسرے فریق نے مسترد کر دیں۔

مشرق وسطیٰ کا معاملہ جو ابھر کر سامنے آ گیا ہے۔ وہ بھی زیر بحث آیا۔ لیکن ظاہر ہے کہ روس کو اس اہم علاقہ میں قدم جمانے کا جو موقع مل رہا ہے۔ وہ اسے ضائع نہیں کرنا چاہتا چنانچہ وہ اپنی موجودہ پالیسی ترک کرنے کے لئے تیار نہیں ہوا۔ روس سے معاملت نہ ہو سکنے کی وجہ سے امریکہ اپنے طور پر اس مسئلہ کا حل تلاش کر رہا ہے۔ کانفرنس کے دوران میں مسٹر ڈلیز خاص طور پر یوگوسلاویہ گئے۔ اور مارشل ٹیٹو سے ملے۔ یہ پہلا موقعہ ہے کہ وہ یا کوئی اور امریکی سکریٹری آف اسٹیٹ یوگوسلاویہ گئے ہیں۔ ملاقات کے بعد دونوں نے اعلان کیا کہ روسی حلقہ بگوش ممالک کو آزادی ملنی چاہیئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ مارشل ٹیٹو اقوام مغرب کے موید ہیں اور ان پر روسی قائدین ــــ بلگانن اور کروشیف وغیرہ ــــ کے دورے کا چنداں اثر نہیں ہوا۔ شاید اسی تائید کا اثر ہے کہ بعض اطلاعات کے مطابق مسٹر ڈلیز نے مارشل ٹیٹو کو اس پر آمادہ کیا کہ وہ مصر جائیں مارشل ٹیٹو مصر جانے کا فیصلہ کر چکے ہیں لیکن انھوں نے اپنا سفر فی الحال ملتوی کر دیا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ مسٹر ڈلیز نے ان کو جلدی جانے پر آمادہ کیا ہے۔ اتنا بہر حال یقینی ہے کہ دونوں مشرق وسطیٰ کو زیر بحث لائے۔ اس کا اعتراف خود مسٹر ڈلیز نے کیا۔ اس سے یہ خیال کرنا مشکل نہیں کہ انھوں نے مارشل ٹیٹو کو مصر جانے پر آمادہ کیا ہوگا۔ مارشل ٹیٹو روسی حلقہ بگوش تھے۔ پھر ادھر سے کٹ گئے اور غیر جانبداری کے دلدادہ رہے۔ اب انھوں نے اس موقف کو پوری طرح نہیں چھوڑا لیکن وہ اقوام مغرب کے ساتھ ضرور ہیں۔ وہ شاید ذاتی تجربہ کی روشنی میں کرنل ناصر کو موثر طریق سے قائل کرا سکیں۔ کم از کم امریکہ اسی انداز سے سوچتا معلوم ہوتا ہے۔

امریکہ اور چین کے مابین جو مذاکرات ایک عرصے سے جاری ہیں۔ وہ اختتام پذیر نہیں ہوئے۔ اور نہیں کہا جا سکتا کہ دونوں کسی متفقہ نتیجہ تک پہنچ سکیں گے یا نہیں۔ ایک اطلاع کے مطابق چین نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ مسٹر ڈلیز اور چو این لائی آپس میں ملاقات کریں۔ چین نے یہ بھی اعلان کیا ہے کہ وہ امریکہ کو یہ ضمانت دینے کے لئے تیار ہے کہ وہ بین الاقوامی معاملات میں فوجی قوت کے استعمال سے دریغ کرے گا۔ یہ ضمانت اپنی جگہ

اہم ہے لیکن امریکہ کے لئے یہ سوالات موجودہ خوش آئند نہیں کیونکہ امریکہ کا مطالبہ یہ ہے کہ چین یہ ضمانت دے کہ وہ فارموسا کے بارے میں فوجی کارروائی نہیں کرے گا۔ چین فارموسا کو بین الاقوامی مسائل میں سے نہیں سمجھتا۔ کیونکہ اس کے نزدیک یہ اس کا داخلی مسئلہ ہے۔ چنانچہ امریکہ نہ تو چو این لائی والی ملاقات کے لئے تیار ہے۔ نہ اس ضمانت کو قابل قبول سمجھتا ہے۔ چین اس کے علاوہ یہ زور بھی دے رہا ہے کہ باہمی تجارت کو بڑھایا جائے۔ لیکن ابھی تک کہیں اتفاق نہیں ہو سکا۔ دراصل قوموں کی رقابت جس مقام پہ پہنچ چکی ہے۔ وہاں مفاہمت قریب قریب ناممکن ہو گئی ہے۔ اسے ممکن العمل بنانے کے لئے شاید ابھی جنگ کا خطرہ کافی ثابت نہ ہو۔

سکھوں اور پنڈت نہرو کے بین پنجابی صوبہ کیلئے جو مذاکرات شروع ہوئے ہیں۔ وہ بھی بے نتیجہ ثابت ہو رہے ہیں۔ کیونکہ اگر پنڈت نہرو اس صوبے کی تشکیل کے لئے تیار نہیں تو سکھ اس سے کم پہ رضامند نہیں ہوتے۔ کانگریس نے اس قضیہ کو نپٹانے کے لئے ایک سب کمیٹی مقرر کی ہے۔ جس میں پنڈت نہرو اور ابوالکلام آزاد بھی شامل ہیں۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سکھوں کے مطالبہ کو کتنی اہمیت دے رہے ہیں۔ اب تک پنجابی صوبے کا مطالبہ اکالیوں کی طرف سے پیش کیا جاتا تھا ہے۔ لیکن اب نیشنلسٹ سکھ بھی جو زیادہ تر کانگریس کا ساتھ دیتے رہے ہیں۔ اس مطالبہ کے ہمدرد ہوتے جا رہے ہیں بظاہر اس قضیہ کا طے ہونا آسان نہیں۔

نقد ونظر

(صفحہ ۱۶ سے آگے)

یاد رہے کہ یہ کتاب سرمایہ پرستی کے خلاف اور اشتراکی نظریہ دولت کی تائید میں لکھی گئی ہے۔ کتاب ۴۰۴ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور مجلد کی قیمت چھ روپے آٹھ آنے ہے۔

اسلامی فن تعمیر یہ کتاب بھی ایک انگریزی کتاب کا ترجمہ ہے جسے ارنسٹ ٹاڈ رچمنڈ بیام نے لکھا تھا۔ یہ صاحب مجلس تحفظ آثار عرب مصر کے سابق اسسٹنٹ آرکیٹکٹ تھے۔ انہوں نے ابتدائے اسلام سے لے کر سترہویں صدی عیسوی تک کے مسلمانوں کے فن تعمیر سے بحث کی ہے، بالخصوص مصری عمارات سے بحث کی ابتدا اس اولین مسجد سے ہوئی ہے جو خود نبی اکرم صلعم کے مقدس ہاتھوں سے مدینہ منورہ میں تعمیر ہوئی تھی، کتاب دلچسپ بھی ہے اور معلومات افزا بھی۔ لیکن چونکہ اصل کتاب فنی ہے۔ اس لئے اس کا ترجمہ بھی فنی قسم کا ہے۔ کتاب درسی کتابت کے ۳۵۲ صفحات پر مشتمل ہے۔ اور مجلد کی قیمت سات روپیہ ہے۔

ادبی اور قومی تذکرے یہ کتاب دو جلدوں میں ہے۔ اور پنڈت کشن پرشاد کول کے ادبی اور قومی مضامین پر مشتمل ہے۔ ہندوستان کے تنگ نظر ہندو اردو زبان سے بھی اسی طرح نفرت کرتے ہیں جس طرح خود مسلمان سے اور اسی بنا پر وہ اردو کی جگہ ہندی کی ترویج کے لئے کوشاں رہتے ہیں۔ لیکن پنڈت کول کے مضامین دیکھ کر وہ یقیناً شرمائے ہوں گے کہ ان کا پروپیگنڈہ کس قدر غلط ہے کہ اردو صرف مسلمانوں کی زبان ہے۔ پنڈت کول ایسی شستہ اردو لکھتے ہیں کہ اس سے نسیم اور سرشار کی یاد تازہ ہو جاتی ہے۔ جلد اول قریب تین سو صفحات پر مشتمل ہے۔ اور مجلد کی قیمت چھ روپے آٹھ آنے ہے۔ جلد دوم کی ضخامت ۱۵۶ صفحات ہے۔ اور قیمت مجلد تین روپے۔

ان کتابوں میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ پاکستان کے رہنے والے انہیں ہندوستان سے کس طرح منگا سکتے ہیں۔ ضرورتمند حضرات انجمن ترقی اردو ہند (علی گڑھ) سے براہ راست دریافت فرمائیں۔

فلیوری کمپنی

ہم نے سلہٹ اور چٹاگانگ کے باغیچوں سے عمدہ اور خوشبودار چائے کے منگوانے کا خاص بندوبست کیا ہے۔

ضرورتمند اصحاب مندرجہ ذیل پتہ پر رجوع کریں

فلیوری کمپنی

محمد فیروز اسٹریٹ۔ جوڑیا بازار ۔ کراچی

فون: ۳۲۸۱۹

ٹیلیگرام: "KASHMIR TEA"

شیروانی

ہی واحد قومی لباس ہے!

رشید ٹیلرنگ فرم

۲۵۔ آرٹلری میدان ۔ کوئی روڈ

صدر کراچی

سو میں ننانوے

اشخاص ایام باسوری تبخیر معدہ (معدہ میں گیس پیدا ہونا) کے مریض ہیں۔ پاخانہ صاف نہ ہونا، تمام جسم میں درد، سر میں چکر، بھوک غائب، ہاضمہ خراب۔ طبیعت میں بے چینی، سینے میں جلن خون میں کمی، نزلہ رہنا، اس مرض کی عام شکایات ہیں، اس مرض کا حب باسوری اور جوہر ہاضم (مکمل کورس) سے زیادہ فوری اثر کوئی دوسرا علاج نہیں۔ یہ تمام شکایات کو دور تندرستی اور توانائی بخشتا ہے۔ قیمت مکمل کورس تین روپے آٹھ آنے۔ طبی دنیا ماہنامہ دردمند کراچی سالانہ چندہ ایک روپیہ بھیجکر خریدار بنیئے۔

دردمند دواخانہ۔ فریئر روڈ۔ کراچی ٹیلیفون نمبر ۳۵۴۲۱

کیا آپ نے یہ کتابیں دیکھی ہیں؟

مزاج شناس رسول کون سمجھتے کہ صحیح احادیث کونسی ہیں اور غلط کونسی؟ مزاج شناس رسول، مزاج شناس کون ہیں؟ اسکی تفصیل اس کتاب میں ملے گی۔ ۴۰۴ صفحات ۔ قیمت چار روپے

مقام حدیث حدیث کے متعلق تمام اہم سوالات کے تفصیلی جواب۔ احادیث کے متعلق اتنی معلومات کسی ایک جگہ نہیں ملیں گی۔ دو جلدیں ہر جلد کے قریباً چار سو صفحات۔ اور قیمت فی جلد چار روپے

فردوس گم گشتہ (از پرویز) ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہ کا زاویہ بدل دیا۔ خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے۔ اردو لٹریچر کی بلند پایہ تصنیف۔ ۴۰۰ صفحات ۔ قیمت چھ روپے

نوادرات (از علامہ اسلم جیراجپوری) علامہ موصوف کے مضامین کا نادر مجموعہ۔ چار سو صفحات ۔ قیمت چار روپے

اسلامی معاشرت (از پرویز) مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ۔ رہنے سہنے کے ڈھنگ۔ سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات۔ انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر پہلو قرآنی آئینہ میں۔ صفحات ۱۹۲۔ قیمت دو روپے

نظام ربوبیت (از پرویز) انسان کے معاشی مسائل کا قرآنی حل اور ذاتی ملکیت کا قرآنی تصور دور حاضرہ کی عظیم کتاب ضخامت تین سو صفحے

قیمت (قسم اول) ۔ چھ روپے

(قسم دوم) غیر مجلد ۔ چار روپے

تمام کتابیں مجلد ہیں اور گرد پوش سے آراستہ۔ محصول ڈاک ہر حالت میں بذمہ خریدار

ملنے کا پتہ: ادارہ طلوع اسلام۔ پوسٹ بکس نمبر ۳۱۳۔ کراچی

فردوس گم گشتہ

جناب پرویز کے ان مضامین کا مجموعہ جنہوں نے قوم کے تعلیم یافتہ نوجوانوں کی نگاہوں کا زاویہ بدل دیا ہے۔مفہوم کے علاوہ اگر خالص ادبی نقطۂ نگاہ سے بھی دیکھئے تو اردو زبان کی بہت کم کتابیں اس پایہ کی دکھائی دینگی۔

بڑا سائز۔ضخامت قریب چار سو صفحات کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید جلد مضبوط۔گرد پوش حسین۔
قیمت چھ روپے۔علاوہ محصولڈاک۔

سلیم کے نام خطوط

ان خطوط میں ملت کے اس نوجوان تعلیم یافتہ طبقہ کو مخاطب کیا گیا ہے جو مشرق و مغرب کے تصادم کے بعد ملوکیت کے وضع کردہ غلط مذہبی تصورات سے متنفر ہوتے ہوتے اسلام اور اسکے سرچشمۂ حیات قرآن ہی سے ہاتھ دھو چلا تھا۔عقائد و نظریات جیسے خشک اور نازک مسائل پر اس عمدگی سے بحث کیگئی ہے کہ محسوس ہی نہیں ہوتا کہ ہم کسی خشک فلسفیانہ بحث کو پڑھ رہے ہیں۔باتوں باتوں میں وہ دقیق اور معرکہ آرا مسائل حل کرکے رکھ دئے گئے ہیں جنہیں ضخیم مجلدات میں بھی حل نہیں کیا جاسکا تھا۔یہ خطوط ملک کے گوشہ گوشہ سے خراج تحسین وصول کرچکے ہیں۔قرآن کی روشنی اور محترم پرویز صاحب کا بصیرت افروز قلم۔بڑا سائز ضخامت سوا چار سو صفحات۔کتابت و طباعت دیدہ زیب کاغذ سفید گرد پوش مصور مشرق جناب چغتائی کے قلم کا حسین مرقعہ۔قیمت چھ روپے علاوہ محصولڈاک۔

اسلامی نظام

اسلامی مملکت کا بنیادی اصول کیا ہے اور اسلامی نظام کیسے قائم ہوسکتا ہے؟ اسکے جواب میں محترم پرویز صاحب اور علامہ اسلم جیراجپوری کے مقالات جنہوں نے فکر و نظر کی نئی راہیں کھولدی ہیں۔ قیمت دو روپے۔

اسباب زوال امت

مسلمانوں کی هزار سالہ تاریخ میں پہلی مرتبہ بتایا گیا ہے کہ ہمارا مرض کیا ہے اور علاج کیا۔

ضخامت ۱۵۰ صفحات قیمت ایک روپیہ آٹھ آنے۔

قرآنی دستور

اس میں پاکستان کیلئے قرآنی دستور کا خاکہ دیا گیا ہے اور حکومت، علماء اور اسلامی جماعت کے مجوزہ دستوروں پر تنقید کی گئی ہے۔

ضخامت دو سو چوبیس صفحات
قیمت دو روپے آٹھ آنے۔

اسلامی معاشرت

مسلمان کے عادات و اخلاق کا خاکہ، رہنے سہنے کا ڈھنگ۔سرکاری ملازمین کے فرائض و واجبات انفرادی اور اجتماعی زندگی کا ہر اسلوب قرآنی آئینے میں۔

ضخامت ۱۹۲ صفحات قیمت دو روپے۔

ناظم ادارہ طلوع اسلام۔پوسٹ بکس نمبر ۷۳۱۳۔کراچی۔۳

دور حاضرہ کی عظیم کتاب

✡ نظام ربوبیت ✡

(از - پرویز)

ہاتھوں ہاتھ فروخت ہورہی ہے - اس میں بتا یا گیا ہے کہ
قرآن کی رو سے اس زمین پر انسان کے سب سے اہم سوال - یعنی

معاشی مسئلہ

کا حل کیا ہے ؟ انسانی عقل اس کے حل سے کس طرح
قاصر رہی ہے اور وحی خدا وندی نے اسے کس خوبصورتی سے
حل کر دیا ہے - رزق کے سر چشموں پر

ذاتی ملکیت

کیا نتائج پیدا کرتی ہے اور قرآن اس باب میں کیا کہتا ہے
چونکہ کتاب کی عام اشاعت مقصود ہے اس لئے دو قسموں
میں شائع کیا گیا ہے -

قسم اول - کاغذ سفید کرنا فلی - جلد مضبوط مع گرد پوش چھ روپے -

قسم دوم - کاغذ میکانیکل - صرف ڈسٹ کور کے ساتھ چار روپے -

ناظم ادارہ طلوع اسلام - پوسٹ بکس نمبر ۴۳۱۳ - کراچی-۳

Title Printed at Mueid Art Press, Thathai Compound, Bunder Road, Karachi. Text at Jawed Press, McLeod Road, Karachi. Published by Khurshid Alam from Tolu-e-Islam Office, 207/A, P. E. C. H. Society, Karachi.
Editor: KHURSHID ALAM